دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا دینی و علمی ماہنامہ

سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

شہر شہر اور گاؤں میں
سب کے پاؤں میں
سروس
شوز
سروس
ہوائی چپل
جدید ترین اور دلکش ڈیزائنوں
میں
ہلکی پھلکی - آرام دہ - ارزاں
Servis

اے ۔ بی ۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم : ۴ فون نمبر رہائش : ۲

جلد نمبر : ۱۰
شمارہ نمبر : ۷

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جمادی الاول ۱۳۹۵ھ

(۱۵ مئی تا ۱۵ جون ۱۹۷۵ء)

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک ۔ پاکستان میں سالانہ بارہ ۱۲ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

فی پرچہ : ایک روپیہ پچیس پیسے

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت عالمِ اسلام کا ایک اہم مسئلہ قیادت اور شخصیت کا فقدان ہے۔ اور گیسوئے دجلہ و فرات کی تابداری کے باوجود قافلۂ حجاز میں ایک بھی حسینؓ نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کا وہ قائد جس میں مومنانہ ایمان ویقین، تدبّر و بصیرت، معاملہ فہمی، اللہ پہ توکل، اسلام پر فخر اور اسلامی حکمت و ذہانت جیسی چیزیں جمع ہوں، مسلمانوں کی نگاہیں مدتوں سے کسی ایسی شخصیت کیلئے ترس رہی ہیں۔ جو مسلمانوں کے مسائل پر غمزدہ ماؤں کیطرح روئے عالمِ اسلام اور اسلام کی سربلندی اس کا اوڑھنا بچھونا اور کلمۃ اللہ کی سربلندی اس کا مقصدِ حیات ہو۔ بیت المقدس کا پہلی مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں نکل جانے پہ مورّخین لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبیؒ کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی تھی جس نے اکلوتے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو وہ جہاد کے دوران صفوں میں بھاگتے پھرتے اور مجاہدین کو ترغیبِ جہاد دے دے کر پکار اٹھتے: یاللا اسلام ــــ یاللاسلام۔ اے لوگو! اسلام کی مدد کرو، اسلام کی خبرگیری کرو۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر دامن گیر تھی اور ان کے دل پہ ایسا بار تھا کہ پہاڑ بھی اس کے متحمل نہیں تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی عظمتِ گم گشتہ کی بحالی تک خیموں ہی میں وقت گذارا کھانے کے لئے ڈاکٹر مجبور کرتے اور آج اسی بیت المقدس میں یہود دندنا رہے ہیں، وہ مسجدِ اقصیٰ میں فاحشہ عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا کہ اس کی تصاویر دنیا بھر میں پھیلاتے ہیں کہ مسلمانوں کے مردہ ضمیروں پر اور بھی چوکے لگا سکیں۔ مگر کروڑوں مسلمانوں کی اس بھیڑ میں کتنے ہیں جن کی آرام و راحت کی زندگی میں ادنیٰ سا تغیّر بھی آیا ہو۔؟ کتنے حکمران ہیں جن کی پرعیش زندگی کو اس قیامت نے ذرا بھی مکدر کر دیا ہو۔

لے دے کر کچھ نظر اٹھتی تھی تو وہ حجاز و نجد کے مرحوم و مغفور حکمران خادم الحرمین شاہ فیصل کیطرف جو نہ تو سلطان صلاح الدین تھے۔ نہ عمر بن عبدالعزیز اور نہ بشری کمزوریوں سے معصوم، مگر اب جبکہ ان کے جانے کے بعد ان کی ایک ایک مؤمنانہ تصویر سامنے آرہی ہے تو اس واقعۂ شہادت کی شدّتِ تاثیر اور اور گہری ہی ہوتی جارہی ہے وہ اپنے مومنانہ کردار، تدبّر و بصیرت، معاملہ فہمی، اسلام پہ فخر و مباہات

اللہ پر توکل اور اسلامی سیاست وحکمت کے لحاظ سے اس دور زوال میں بھی اللہ کی ایک نعمت عظمیٰ
تھے۔ بیت المقدس کا غم انہیں ہر دم پریشان کئے ہوئے تھا، شہادت سے قبل اپنے آخری انٹرویو
میں انہوں نے کہا کہ بیت المقدس کی بازیابی روئے زمین کے ہر مسلمان کے ذمہ ایک اہم امانت ہے۔
وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس کافروں کے قبضہ میں ہو اور ہم آرام کریں۔؟ وہاں جا کہ نماز پڑھنا ان کی آخری
آرزو تھی۔ امریکہ کے عیار اور بے حیاء کسنجر جسے شاہ فیصل بجا طور پر عالمی صیہونیت کا ایجنٹ سمجھتے تھے
جب مذاکرات امن کے سلسلہ میں مرحوم شاہ سے ملے اور مشرق وسطی کے مسئلہ پر اپنے معرکوں
کی تفصیل بیان کی اور کہا کہ اب میں نے پہاڑوں صحراؤں اور دریاؤں کا معاملہ درست کر لیا ہے تو مرحوم
شاہ نے انتہائی تمکنت سے کہا: یہ سب ٹھیک ہے مگر بیت المقدس کا کیا بنے گا۔؟ کسنجر کی ساری
عیاری اس ایک سوال سے خاک میں مل گئی اور پھر آخر تک وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ شاہ مرحوم کو اسلام کے
بارہ میں کوئی تذبذب نہیں ہوا اور نہ کبھی ارتیابی کیفیت کا شکار ہونا پڑا وہ دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر اسلام کی بات کرتے۔ امریکہ کے ایک سفر میں کسی نے اسلام کے نظام حدود وتعزیرات پر اعتراض
کیا شاہ نے اپنے ہاں کے دس سالہ جرائم کے اعداد وشمار پیش کر دئے جو امریکہ کے ایک دن کے جرائم
سے بھی کم تھے۔ یورپ میں ایک دعوت میں گئے۔ ہال کا دروازہ چھوٹا تھا سر کو جھکا کر داخل ہونا پڑتا تھا۔
شاہ دروازہ پر جا کر رک گئے اور کہا میں تو معذور ہوں میرا قد دروازے سے ذرا لمبا ہے۔ دشمن جھینپ
گئے۔ دروازہ توڑا گیا تو شاہ اندر داخل ہوئے اور قصہ یہ تھا کہ سامنے حضرت مریم کا مجسمہ آویزاں تھا۔
دشمنوں کے اس مقصد کا شاہ نے ساتھ نہ دیا کہ جو جائے تو تصویر کے سامنے ذرا جھک کر جائے۔ اور
صدق لکھنؤ راوی ہے کہ ۲۶ء میں مولانا محمد علی جوہر حجاز گئے تو ان کی روایت تھی کہ یورپ سے دواؤں
کا بہت سا ساز وسامان آیا بکسوں پر صلیب احمر کا نشان بنا ہوا تھا شاہ جو اس وقت بالکل جوان
اور امیر حجاز تھے انہوں نے محض صلیب کے نشانات کی وجہ سے سارا سامان واپس کر دیا۔ اور یہ اس
وقت کا سعودی عرب نہ تھا کہ تیل اور سونے کی وجہ سے دولت کی فراوانی ہو شاہ کے اس عزم ولیقین
اس ایمان وعزیمت میں عمر کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا گیا اور جب یہ ہلال بدر بن گیا تو قضا وقدر نے
مسلمانوں کے عمومی شامت اعمال کی وجہ سے پردۂ شہادت میں محجوب کر دیا۔ مگر مسلمان یاس وقنوط
کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کی تاریخ طلوع وغروب کی ہے۔ تاریخ ادھر نکلے ایک ستارہ غروب ہوا دوسرا
طلوع گردش لیل ونہار کی طرح یہ امت بھی قیامت تک جاری وساری رہے گی۔ ایک موج کی جگہ دوسری
موج لیتی رہے گی۔ دعوت وعزیمت اور تجدید وجہاد کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا کہ ارشاد نبوی

لا یبقیٰ بیت وبر ولا مدر الا ادخلہ اللہ اسلام (او کما قال) کا ظہور بدرجۂ اتم ہو جائے۔

★

کافی دنوں سے ایک نئے ضابطۂ اخلاق کا ذکر اخبارات کی زینت بنا ہوا ہے۔ یہ ضابطۂ اخلاق کس کے لئے ہے۔؟ چوروں کے لئے، ڈاکوؤں کے لئے، غداروں کے لئے۔؟ فحاشی اور بداخلاقی کے مراکز اور علمبرداروں کے لئے۔؟ نہیں بلکہ علماء امت کے لئے پہلے اخبارات کے لئے ضابطۂ اخلاق تھا، پھر فلموں کا ضابطۂ اخلاق بنا۔ اور اب امت کے اس گروہ کے لئے ضابطۂ اخلاق جس کا مقام خود ہر دور میں معلّم اخلاق اور مربی امت کا رہا جنہیں اس نبیؐ کی وراثت کا منصب نشین کہا جاتا تھا، جن کے فریضۂ اساسی میں تعلیم کتاب، تہذیب نفوس اور تربیت اخلاق شامل تھا۔ اسلامی تاریخ کے عہد زوال میں جابر اور فاسق حکمران اور سلاطین بھی اس طبقہ سے واقعی نہ سہی سیاستہً سہی رہنمائی خیر خواہی اور نصیحت کے طلبگار ہوتے اور اپنے شہزادوں سے ان معلمین اخلاق کے جوتے سیدھے کرواتے۔ اب امت کے یہ اتالیق، یہ استاذ، یہ رہنما یہ وارثین انبیاء نیرنگیٔ روزگار کے ہاتھوں اس مقام پہ پہنچ گئے کہ ان معلمین اخلاق کو سرکاری اہتمام میں تعلیم اخلاق کی ضرورت محسوس کی گئی اور عوامی حکومت نے چاہا کہ عوام کو علماء کی بداخلاقیوں سے نجات دیدی جائے۔ محترم وزیر مذہبی امور کی سرکردگی میں علماء (؟) کی ایک اتحاد کمیٹی نے علماء کے لئے ضابطۂ اخلاق کی منظوری دیدی ہے۔ اس ضابطہ کا مقصد جو بتایا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں — تقریب بین المذاہب — ہے۔ یعنی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کو روکنا یکجہتی کو فروغ دینا اصل مقصد یعنی مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور یگانگت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اصل مقصد پہ ہم اگلی فرصت میں انشاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ مگر اس وقت صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اور فرقوں میں مفاہمت کوئی مشینی عمل نہیں۔ نہ اسے آئینی ہتھوڑوں اور قانونی اوزار سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق خارجی سے زیادہ اندرونی عوامل سے ہے۔ یعنی نظریہ سے، دل سے، عقیدہ سے اور ضمیر و ایمان سے، ایسی کوئی بھی کوشش جتنی بھی مخلصانہ کیوں نہ ہو اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک مفاہمت کی عمارت کو اس کی فطری بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے اور مفاہمت کے فطری اور بنیادی راستوں کو (جنہیں قرآن مجید اور پھر نبی کریم علیہ السلام نے اپنے گرامی ناموں میں۔ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم میں اشارہ فرما دیا۔) چھوڑ کر اور راستے اختیار کرنا بجائے خیر کے شر میں اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں — اس فرصت میں اس مقصد مفاہمت کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم صرف ان خدشات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ضابطۂ

اخلاق اور اسکی قانونی جکڑ بندیاں کیا صرف اس مقصد تک محدود رہ سکیں گی۔؟ آقائے دوجہاں کی شانِ ختم نبوت، حجیت حدیث کا دفاع اور وکالت، کیا اس ضابطہ کی زد میں نہیں آئیں گے۔ غیر اسلامی اور غیر محمدی ازموں کا نقد و محاسبہ اس ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا فاسق سے فاسق اور ظالم سے ظالم کسی بھی حکومت وقت پر تنقید۔ "اطاعت اولوالامر" کی دفعہ کی نافرمانی نہیں ہوگی۔ ہم اس ضابطہ اخلاق کو ترتیب دینے والے شیعہ اور سنی مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویدار ارکان کے اخلاق و سیرت کو جب دیکھتے ہیں تو بجا طور پر ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طرح اب اس ضابطہ کے ذریعہ وہ تقسیم ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ علماء سوء اور علماء حق کے درمیان چلی آرہی ہے۔ اور اس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دور حاضر کے ابو الفضل اور فیضی قسم کے مولویوں کو پورے اطمینان اور یکجہتی سے حکومت کے ہر اچھے برے اقدام پر احسنت و صدقت کے نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے کی کھلی آزادی مل سکے اور کوئی روکنے ٹوکنے کی "بد اخلاقی" کر ہی نہ سکے۔ کیا ہماری حکومت اب علماء کو اس ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانا چاہتی ہے جس کا نمونہ کمیٹی کے شیعہ اور سنی نمائندگی کرنے والے مؤقر ارکان اپنے "اسوۂ حسنہ" سے دین کے بارہ میں پیش کر رہے ہیں۔ یعنی ہر حکومت پر ایمان و ضمیر کا سودا بیچنا، ہر حکومت سے عہدوں مناصب اور پرمٹوں کا فائدہ لینا، حب جاہ و مال میں ہر منکر و غیر منکر کی تمیز ختم کر دینا۔ ضرورت ہو تو ایکٹریسوں کے ساتھ بھی تصاویر کھنچوا دینا، یہودیوں کی تجارتی فرموں کے انعامی بانڈوں کی قرعہ اندازی بھی کر لینا اور اپنے "مقدس" ہاتھوں سے ہندوؤں کو عمرہ کے ٹکٹ تھما دینا۔ یا شیعوں کا وہ رسوائے زمانہ نصیر الاجتہادی جس نے بڑی ڈھٹائی سے ٹیلیویژن پر یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی کے محبوب اور مقتداء جماعت صحابۂ کرام پر طعن و تشنیع اور تبرا بازی کی اور اس طرح پاکستان کی سب سے بڑی بے حیائی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اب یہ لوگ مسلمانوں اور شیعوں کے نمائندہ بن کر علماء کے لئے ضابطۂ اخلاق بنائیں گے۔؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہالی وڈ کی فلمساز کمپنی اب لیبیا کے تعاون سے محمد عربی علیہ السلام کی ذات اقدس پر فلم بنا رہی ہے۔ اور مسلمان بجا طور پر انسانی تاریخ کی اس سیاہ ترین شرمناک سازش پر تڑپ اٹھے ہیں۔ اس لئے کہ یہ محسن انسانیت کے خلاف انسانیت دشمن کافروں کی ایک بین الاقوامی گٹھ جوڑ ہے۔ ہم اس سلسلہ میں مغرب کے بے حس حکمرانوں، بے حیا پریس اور بے مغز عوام سے شکوہ کریں بھی تو کس بنیاد پر کہ جن کے ہاتھوں اپنے انبیاء اور مقدسین کی عظمت سر بازار تار تار کی جارہی ہے۔

جو اخلاق و دیانت مذہب و انسانیت کی ہر چھوٹی بڑی قدر کی پامالی کے علمبردار بن چکے ہیں۔ لیکن حیرت تو لیبیا کے مرد آہن کرنل قذافی پر ہے۔ اگر ان کا انقلابی ضمیر مر نہیں چکا۔ اور اسلامی غیرت و حمیت ختم نہیں ہوتی تو ہم اسے کم از کم اسلام کی روح اور مزاج سے ان کی بے خبری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیبیا کے اس سادہ لوح قائد سے کون کہے کہ اسلام کے ہر شعبے کی طرح اس کی دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں۔ تبلیغ کے نام پر اسلام کو بازیچۂ اطفال نہیں بنایا جا سکتا نہ وہ تھیٹروں فحاشی کے اڈوں اور سینما بازاروں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہے۔ ان سادہ لوحوں کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ کیا اسلام کا درد اس وقت صرف امریکہ اسرائیل اٹلی اور بھارت کو کھائے جا رہا ہے۔ جو اس ظلم کی تکمیل میں پیش پیش ہیں۔ اگر ان حکومتوں کو اسلامی تبلیغ کا درد ہے تو اپنے گھروں سے اسکی ابتداء کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ فاحشہ یہودی اور عیسائی عورتوں اور کافر کنجروں کے ذریعہ صحابہ و صحابیات کا کردار پیش کرنا اس امت کے زوال اور اس پر خدا کے عذاب کی آخری اتمام حجت ہوگی۔ ہمیں توقع ہے کہ لیبیا کے صدر محترم اور دیگر اسلامی ممالک نہ صرف اسے اپنی ریاستوں میں رکوائیں گے۔ بلکہ اپنے وسائل سے اس لعنت کی بھرپور مزاحمت بھی کریں گے۔ رہ گیا یورپ۔ تو مسلمان اگر اپنی غیرت ملی سے اجتماعی طور پر کوئی فائدہ اٹھا سکتے تو یہ تہذیب کو وہ سبق دیا جا سکتا کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ جہاں تک فلموں کے ذریعہ نبی کریم کی حیات طیبہ، صحابہؓ کی سیرت اور مشاہیر اسلام کے کارناموں کی تشہیر کا تعلق ہے۔ اجماع امت اسے قطعی ناجائز ٹھہراتی ہے۔ مکہ معظمہ کے رابطۂ عالم اسلامی، مدینہ اور ازھر کے شیوخ مصر کے مجمع البحوث اور دنیا بھر کی اسلامی تنظیمیں اپنے اجلاس مکہ میں اسے حرام قرار دے چکی ہیں۔ خود پاکستان کی وزارت امور مذہبی نے اسلامی احساسات سے ہم آہنگی کا اعلان کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم اپنی حکومت کی اس دورنگہ پالیسی پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طرف وہ لیبیا سے اس فلم کے بارہ میں احتجاج کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف اسی ہفتہ خود اسلام کے ایک عظیم جرنیل طارق بن زیاد پر فلم بنانے کے لئے لیبیا کے ساتھ معاہدہ کر چکی ہے۔ اسلام کے بارہ میں اس غیر یقینی دورنگی پالیسی کا آخر انجام کیا نکلے گا۔ آج طارق بن زیاد کی باری ہے تو کل ان کھلے ہاتھوں کو خالد بن ولید اور فاروق اعظم کے بارہ میں کون روک سکے گا۔ ہم فلم "محمد الرسول اللہ" کے بارہ میں ایک طرف اپنی حکومت کے مذہبی ترجمان کے جذبات کی تائید کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف حضرت طارق بن زیاد کے بارہ میں فلمی معاہدہ پر شدید احتجاج بھی کرتے ہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

مادی عروج ــــ مگر ــــ روحانی زوال

مسلمانوں پر اللہ کی نعمتیں ــ ناقدریوں کا وبال

مصائب اور پریشانیوں کے اسباب اور علاج

خطبۂ جمعۃ المبارک شوال ۱۳۹۴ھ

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) واتقوا فتنۃً لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ شدید العقاب۔

میرے محترم بزرگو! اللہ جل جلالہ کے احسانات اور انعامات اس وقت بھی مسلمان قوم کے اوپر جتنے ہیں۔ اس کا عدد حساب نہیں۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وان تعدّوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا ان الانسان لظلومٌ کفّار۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو احاطۂ شمار میں نہیں لاسکتے، بیشک انسان بہت ہی ناشکر گزار ہے۔

ایک سیکنڈ میں اگر ہوا کو اللہ رب العزت روک دے اور یہ کرۂ ہوا خالی ہو جائے تو کیا ہو؟ ہم سانس لیتے ہیں اندر ہوا جاتی ہے۔ اعضاء رئیسہ اور پھیپھڑوں سے گذر کر آلائشوں کو باہر نکال دیتی ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ ہوا مدار حیات ہے اور ہوا کی کوئی قیمت ہمارے پاس نہیں۔

مدار حیات نعمتوں کی فراوانی اور یہ چیز بھی آپ ذہن میں رکھیں کہ جس چیز کی جس قدر ضرورت زیادہ ہے اور جتنی وہ مدار حیات ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی آسان کر دیا ہے۔ اور جو چیزیں بے مطلب اور بے مقصد ہیں وہ گراں اور مہنگی ہوں گی تو ہوا جو مدار حیات ہے۔ اس پر کسی کا کنڑول سوائے رب العزت کے نہیں اور ہمیں ہر وقت نیند میں، بیداری میں، جتنی ہوا کی ضرورت ہے ہم بلا مشقت و ارادہ کے اسے حاصل کرتے ہیں بغیر ہر وقت کے اسے آسان کر دیا کہ مدار حیات ہے۔ اس کے بغیر چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے ــــ پھر پانی کو اللہ رب العزت نے آسان کر دیا گلگت اور کاغان کے

پہاڑوں پہ بارش کو برسایا اور وہاں چشمے اور دریا پیدا کئے کچھ پانی اللہ رب العزت نے زمین پر بہایا یا نہروں دریاؤں کے ذریعہ چلایا اور چونکہ انسان کی زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اوپر سطح پر پانی نہ مل سکے خشک ہو چکا ہو، میلا ہو، گدلا ہو، گرم ہو، سڑ چکا ہو تو اسی پانی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی رگوں میں اندر جاری کر دیا۔ تو جہاں نہر دریا نہ ہو چشمہ نہ ہو وہ کنوئیں کھود کر تازہ پانی حاصل کر سکیں گے۔ چونکہ پانی دوسرے نمبر پہ مدار حیات ہے۔ ایک دن دو دن اس کے بغیر تو آپ گذار سکیں گے مگر بالآخر تڑپ تڑپ کر پیاس سے مر جائیں گے۔ اس لئے اس کے حاصل کرنے میں کچھ مشقت تو کرنی پڑتی ہے مگر بغیر اجرت کے مل جاتا ہے۔ اسی طرح مثلاً زمین کے اوپر چلنا پھرنا ہے۔ اس کو اللہ نے آسان کر دیا، مفت کر دیا۔ پیادہ چلنے والے کے لئے اب تک کوئی ٹیکس نہیں کہ سڑک پر جانے کا ٹیکس دو اور موٹر اتنی اہم نہیں۔ تو جو اسے چاہے گا تو ٹیکس داخل کرتا رہے گا۔ اس لئے کہ موٹر مدار حیات نہیں۔ ہاں پاؤں سے چلنا ضروری ہے۔ تو اب تک الحمد للہ اس پر کسی کا کوئی کنٹرول نہیں کہ اتنے قدم لئے ہیں۔ تو سو روپے ٹیکس دو۔

تسخیر کائنات | حرارت، بجلی اور روشنی کی ضرورت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آفتاب کو مسخر کر دیا، ستاروں کو مسخر کر دیا۔ چاند کو مسخر کر دیا کہ وہ بجلی اور روشنی انسان کو مہیا کریں اور میں نے مسخر کا لفظ قرآن مجید سے لیا ہے۔ مسخر اس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو آپ کی خدمت میں لگا ہو آپ کو پتہ بھی نہیں اور اگر کبھی آپ کو پتہ لگ بھی جائے تو آپ نے کبھی زبان سے نہیں کہا کہ اے آفتاب اللہ تجھے خوش رکھے تو نے بڑی بھر جانی کی اندھیرے سے بچا دیا گرمی اور حرارت دی۔ کبھی ایسا نہیں کہا نہ کبھی اس کا شکر ادا کیا، ستاروں کی روشنی چاند کی روشنی جو حاصل کرتے ہیں تو کبھی ہم نے چاند سورج کو ستاروں کو دعا دی کہ خدا تمہیں باقی رکھے، ہم تمہارے ممنون ہیں خیال بھی نہیں آتا نہ اجرت دی بلکہ وہ شب و روز ہمارے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخر کر دیا کہ انسانی زندگی ان پر موقوف ہے۔

الغرض! اگر آپ اس وقت بھی سوچیں تو اللہ کے کتنے احسانات ہوں گے جو ہمیں اپنے اندر گھیرے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں پر خدا کے مادی احسانات | پھر مسلمان اگر غور کریں تو جس دور سے آج مسلمان گذر رہا ہے۔ اس دور میں جو مادی احسانات ہیں، اللہ تعالیٰ نے وہ بے شمار نعمتیں مسلمان قوم کو دی ہیں جس کا حد و حساب نہیں۔

تعداد اور مردم شماری | مسلمانوں کی مردم شماری اسی کروڑ سے زیادہ ہے۔ اور علماء محققین نے تحقیق کی ہے۔ کہ ہماری تعداد یورپ والے غلط پیش کرتے ہیں۔ یورپ والے دھوکہ باز اور جھوٹے ہیں ورنہ صحیح صورت حال

یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جتنی تعداد مسلمان قوم کی ہے اتنی کسی قوم کی نہیں، نہ ہندو کی، نہ سکھوں کی، نہ عیسائیوں کی، نہ بدھ مت والوں کی، نہ یہودیوں کی۔ کفار کی مجموعی تعداد نہیں کہتا۔ مگر دنیا بھر کے الگ الگ مذاہب والوں سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو یہ بھی خدا کا انعام ہے۔ اکرام ہے۔

مسلمان حکومتیں | آج جتنی حکومتیں اور ریاستیں ہیں۔ ۲۶ - ۲۷ برس پہلے ایک دور تھا کہ ہم روتے تھے کہ ہم غلام ہیں۔ انگریز کے مظلوم ہیں کچھ زمانہ سکھوں کے غلام رہے ہیں۔ لیکن الحمد للہ ہم آج جس دور سے گذر رہے ہیں۔ ۴۶ یا اس سے بھی زیادہ حکومتیں مسلمانوں کی دنیا میں قائم ہیں۔ انڈونیشیا، ملائشیا سعودی عرب افغانستان کو لو، عراق کو مصر کو شام کو الجزائر کو لو۔ پاکستان کو لو افریقہ میں کتنی ریاستیں ہیں جو آزاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حکومتوں کو قائم دائم رکھے اور اتحاد پیدا فرما دے۔ تو انگریز کے دور میں ہم یہ کہا کرتے کہ ہم مجبور اور غلام ہیں ہمیں انگریز دین پر چلنے نہیں دیتا۔ اور غلام کی زندگی کیا ہوتی ہے ——؟ مظلومیت کی زندگی تھی مگر آج تو ہم خود مختار ہیں۔ آزادی ہے، مشرقی ایشیا سے لیکر اندلس تک جائیں، مغرب میں جائیں یورپ افریقہ میں جائیں کتنی ریاستیں ہیں سلطنتیں ہیں۔ ایسا دور تو مدتوں بعد مسلمانوں پر آیا ہے۔ آج ہم اگر اس سے فائدہ نہیں لے سکتے تو خدا نے تو ہمیں موقعہ دیدیا ہے۔

قدرتی وسائل اور دولت کی فراوانی | آج جتنی دولت مسلمان کے پاس ہے اتنی دولت کبھی بھی مسلمانوں کو نہیں دی گئی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ سعودی عرب نے اپنا سونا امریکہ سے نکالنا چاہا تو وہ چلانے لگا۔ سونا ہمارا ہے۔ مگر یورپ کے بنکوں میں پڑا ہوا ہے وہ اپنی تجارت اس سے کرتے ہیں۔ مگر دولت تو ہماری ہے۔ آج یورپ والے کہتے ہیں کہ عنقریب مسلمان ریاستیں دولت میں تمام دنیا میں پہلے نمبر پر آجائیں گی۔ پٹرول مسلمانوں کے پاس، سونے چاندی فولاد کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ایک سعودی عرب میں اللہ نے کتنے خزانے رکھے وہاں سے صرف پٹرول نکالا جارہا ہے، سونا نہیں۔ اس لئے کہ وہ پٹرول کی آمدنی کو سنبھال نہیں سکتے۔ کبھی ایک کو کبھی دوسرے ملک کو دے رہے ہیں۔ امانت کروا رہے ہیں۔ تو وہ اگر سونا چاندی نکالنے لگیں تو خرچ کیسے کریں گے۔ مسلمانوں کے پاس کتنا وسیع و عریض رقبہ ہے اور ذخائر اور معدنیات سے مالامال ہے —— تو خدائی نعمتوں کی تو ہم پر حد نہیں۔

سائنس اور صنعت کی روح بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ | آپ کہہ سکتے ہیں کہ یورپ کے پاس تو سائنس ہے۔ ہمارے پاس سائنس نہیں تو یہ بھی غلط ہے۔ سائنس کے جتنے آلات اور مشینیں ہیں، چاہے ایٹم بم ہو یا ہائیڈروجن۔ چاہے وہ آسمان کے تاروں تک پہنچ جائیں وہ زمین کے گرد فضاء میں گھومیں چاہے ریلوں، موٹروں میں ان تمام چیزوں کی روح پٹرول ہے گیس ہے۔ جیسے

آدمی کی روح ہوتی ہے جسم اس کے بغیر بے کار ہے۔ تو سائنس اور صنعت کی روح اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دیدی۔ ذرا بھی مسلمان پٹرول بند کر دیں تو ساری سائنس اور سارا یورپ ختم دیکھ لیں۔ ذرا سی عربوں نے تیل پہ پابندی لگا دی، یورپ چلانے لگا۔ ان کے چھوٹے ٹھنڈے ہوگئے، کسنجر بھی دوڑنے لگ گیا کہ اب تو یورپ ختم ہوجائے گا۔ جاپان اور جرمنی کی صنعت تباہ ہوجائے گی۔

الغرض! ساری صنعت چل رہی ہے پٹرول سے اور پٹرول پر قبضہ ہے مسلمانوں کا اور ایک مہینہ سارا پٹرول کا فروں پر بند کر دیں۔ پھر آپ دیکھ لیں کہ ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ تو یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس سائنس نہیں اس لئے کہ سائنس کی روح تو خدا نے ہمیں دیدی ہے۔ کہ وہ اس امت کی لاج رکھتا ہے کہ مسلمان کبھی یہ نہ کہے کہ ہم محروم ہیں۔

تو بھائیو! مردم شماری ہماری زیادہ، آزاد حکومتیں ہماری زیادہ۔ جس قدر سونا چاندی پٹرول اور ذخائر ہمارے پاس ہیں کسی کے پاس نہیں اگر بنکوں سے اپنا محفوظ سرمایہ نکالیں تو وہ دیوالیہ ہوجائیں۔ مگر باوجود اس کے ہم دنیا کی نظروں میں حقیر ہیں اور اپنے آپ کو بھی حقیر سمجھتے ہیں۔

حضور اقدسؐ کے دور میں مادی وسائل کی قلت اور ایک وقت وہ تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت کہ جزیرۃ العرب میں نہ سونا تھا نہ چاندی نہ پٹرول نہ فوج نہ پولیس چاروں طرف وہ ملک کافروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف ایران کی سلطنت کسریٰ دوسری طرف قیصر کی حکومت اور یہ اس زمانہ کے روس امریکہ اور چین تھے ایک طرف مقوقس مصر کا فرمانروا بادشاہ دوسری طرف حبشہ کا نجاشی۔ چاروں طرف سے یہ ریگستان گھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف سے ایک محصور سرزمین مردم شماری بھی بے حد کم تھی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذکروا اذ کنتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون

تم بہت تھوڑے تھے تعداد میں ہر لحاظ سے کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تمہیں ڈر رہتا کہ لوگ ہمیں اچک لیں گے۔ پس اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا۔ اور اپنی مدد سے تائید کر دی۔ اور پاکیزہ نعمتوں سے نوازا تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

اور مستضعفین بھی ایسے تھے کہ اس علاقہ اور ملک پر کوئی قبضہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے قبضہ میں لیں تو انہیں تو کچھ دینا ہی پڑے گا۔ کچھ وصول تو ہوگا نہیں۔ قیصر وکسریٰ مقوقس اور نجاشی نے ہاتھ نہیں ڈالا سمجھتے تھے کہ یہاں کی آمدنی تو ہے نہیں، جزیرۃ العرب کے ننگے بھوکے باشندے ان سے نہیں تو دینا ہی ہوگا۔

قلت تعداد واسباب کے باوجود نصرت خداوندی | تو حضور اقدس ؐ کے تشریف لے جاتے وقت دنیا میں میرے خیال میں ساری تعداد ۱۰ لاکھ کے لگ بھگ تھی ایک پشاور راولپنڈی کی تعداد بھی اس سے زیادہ ہوگی۔ یہ تو تھا کل اثاثہ مسلمانوں کا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کی شامل حال تھی۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان تنصروا اللہ ینصرکم ـــ تم دین کی مدد کیلئے اللہ کے دین کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ وہ چوطرفہ کافر ریاستوں میں گھرا ہوا جزیرۃ اور بہت تھوڑے سے مسلمان۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ دنیا میں پھیل گئے۔ ایک یرموک جیسے دریا اور مختصر سی جگہ میں قیصر روم نے تین لاکھ فوج مقابلہ میں کھڑی کردی، تیس ہزار آدمیوں کو پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں کہ بھاگنے کا تصور بھی ختم ہو۔ طبری نے کہا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد آدمی قتل ہوئے آج امریکہ اور روس ایک گمنام سے محاذ پہ تین لاکھ فوج جمع نہیں کرسکتی۔ اس سے آپ قیصر کی قوت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو قیصر یرموک میں تین لاکھ فوج جمع کر سکتا ہے۔ پورے ملک میں پھیلی ہوئی طاقت کتنی ہوگی مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ ہزار تھی لیکن وہ لوگ اللہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اللہ کے دین کی نصرت کی خاطر جانیں پیش کیں تو خدا ہر جگہ فتح ہی فتح دیتا رہا۔

اسلام استحصالی مذہب نہیں | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کی سلاطین کے نام گرامی نامہ لکھا اور کہا کہ اَسلِم۔ تسلَم۔ تو اللہ کا حکم مان تو بالکل محفوظ ہو جائے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ہم تو نہ کسی کی دولت چھیننا چاہتے ہیں نہ کسی کے بنگلے اور جائداد نہ کسی کی ریاست اور حکومت کو۔ ساری ریاستوں کو کہا کہ تمہاری ریاست تمہاری رہے گی حکومت اور دولت تمہاری محفوظ صرف اتنا کہہ دو کہ : لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ـــ اس لئے کہ اسلام کا مذہب توڑ پھوڑ کھسوٹ کا مذہب نہیں۔ یہ استحصالی مذہب نہیں۔ نہ استعماری عزائم پہ مبنی ہے۔ یہ تو سلم اور سلامتی امن و امان اور صلح و صلاحیت کا مذہب ہے۔ لیکن وہ لوگ نہ سمجھ سکے انہوں نے اسلام سے ٹکر لی۔ تو آپ جانتے ہیں کہ کہاں گیا کسریٰ، کہاں گیا قیصر روم۔ ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ ـــ کسریٰ فارس حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ختم ہوگیا۔ تو آج تک پھر کسراویت نہیں آئی قیصر چلا گیا تو شام پر آج تک کسی قیصر کی حکومت نہ آسکی عیسائیوں کی حکومت قائم نہ ہوسکی کہاں گیا مصر کا مقوقس۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ حبش کا ملک تھا۔ اس کو مسلمانوں نے فتح کیا۔

مسلمانوں کی اصل طاقت | الغرض ! چاروں طرف مسلمان پھیل گیا کہ اس کے اندر ایک جذبہ تھا۔

کپڑے پھٹے پرانے ہوتے ظاہری اور مادی ساز و سامان نہ تھا۔ تاریخ میں ہے کہ جب رستم ایرانی جرنیل کے پاس ہمارے مسلمانوں کا وفد جاتا ہے تو رستم کہنے لگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں پھٹے پرانے لباس میں بالوں میں کنگھی نہیں، تیل بھی نہیں ملتا ہوگا کسی کے پاؤں میں جوتا ہے تو کسی کے خالی ہیں۔ کہا معلوم ہوتا ہے تمہارے ملک میں قحط ہے وہاں کھانے پینے کی چیز مہیا نہیں۔ روٹی کپڑا اور مکان تمہیں مل نہیں رہا ہوگا۔ ہم سے جتنا لینا چاہو ہم دینے کو تیار ہیں۔ آٹا چینی لو، کپڑے لو، دولت چاہو تو لو، یہ سب اندازہ وہ مسلمانوں کی ہیئت گدائی سے لگاتے تھے مگر مسلمانوں نے کہا ہمیں کپڑے روٹی کی ضرورت نہیں۔ ہمارا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم یہاں تمہاری مال و دولت چھیننے نہیں آئے ہم تم سے صرف یہی چاہتے ہیں کہ جس مالک نے ہمیں اور تمہیں بھی پیدا کیا ہمیں صرف اسی کے سامنے سربسجود ہونا چاہیئے۔ بس۔ ہمارا معاملہ لین دین کا نہیں جب وہ لوگ سمجھ گئے کہ مسلمان رکنے والے نہیں تو رستم دھمکیوں پر اترا۔

تم شراب میں مست ہو اور میرے ساتھی خدا کے عشق میں سرشار

مسلمانوں کے جرنیل حضرت سعدؓ بن وقاص نے کہا کہ بھئی ہم نے تمہاری بہبود اور نصیحت و خیر خواہی کیلئے بہت کچھ کہا مگر تم پر اثر نہیں ہوتا تو یاد رکھو میرے ساتھ ایسے ساتھی ہیں یہ بھوکے پیاسے آپ کو نظر آنے والے یہ خدا کے عشق میں مست ہیں۔ جیسے تم عجمی لوگ شراب پی کر مست ہو جاتے ہو شراب کے اوپر مرتے ہو یہ میرے ساتھی شہادت کی موت پر مرتے ہیں جذبہ تھا۔ چنانچہ دکھا دیا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضور اقدسؐ کے صحابہ کی تعداد ۳۱۳ ہے، سات کمانیں آٹھ تلواریں ہیں اور مقابلہ میں ایک ہزار مسلح طاقتور فوج ابوجہل کے کمانڈ میں کھڑی ہے۔ حضور اقدسؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا ہم لڑیں تمہارا جی تو متردد نہیں ایک صحابی حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جو آپ کو کہیں گے کہ : اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔

بنی اسرائیل کی سرتابی

جب بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے کافروں سے جہاد کا حکم دیا کہ باپ دادا کے ملک کو اسلامی ملک بنا دو تو کہنے لگے۔ کہ تو اور تیرا خدا لڑتا ہے۔ تو لڑیں ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں انا ههنا قاعدون۔ ہم تو کھڑے بھی نہیں رہ سکتے کھڑے تھے تو بیٹھ گئے تو جانے اور تیرا خدا جانے حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں کہ یا اللہ میں اب کیا کروں قوم کی تو یہ حالت ہے۔ میرا تو اپنے نفس اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر اختیار ہے۔ حکم ہو تو لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہیں مگر بنی اسرائیل نے حد سے تجاوز کیا تو فرمایا کہ اچھا تم بیٹھنا چاہتے ہو تو کہا اب چالیس سال کے لئے اسی وادی تیہ میں بیٹھے رہو۔ وہیں کے لئے عمر بھر بیٹھنے کی ضرورت نہیں، تو اب اسی جنگل میں قید رہو مگر شان رحیمانہ تھی کہ پھر

بھی اسے کلاس دیدی۔ اس لئے کہ تلے ہوئے مرغ، تیتر اور بٹیر ملتے رہے اور شہد جیسی میٹھی چیز بھی صبح و شام ان کے پاس آجاتی مگر تھے چالیس برس تک جیل میں، ۲۰ برس سے زائد عمر والے عہد غلامی کے لوگ اس عرصہ میں انتقال کر گئے اور آزاد فضاء میں جب جوانوں کی نسل پیدا ہوئی تو اس زمانہ کے نبی نے کہا کہ اب جا کر عمالقہ سے جہاد کرو۔

مادی نعمتوں کے باوجود مصائب اور پریشانی کی حالت

الغرض اس دور میں ہر طرح مادی ترقیات اور ظاہری عروج کے باوجود مسلمان قوم تباہی کیطرف جارہی ہے۔ ہم دنیا کی نظروں میں حقیر ہیں بارشوں کے لئے روتے ہیں۔ گرانی اور معاشی تنگی پر روتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم آپس میں لڑ مر کیوں رہے ہیں۔ تو بھئی یہ تو ساری ہماری شامت اعمال ہے۔

مصیبتوں کی دو قسمیں | میرے محترم بزرگو! مصیبتیں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں۔ ایک تو قومی مصیبت جس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہو جائیں۔ مثلاً قحط ہونا، بارش کا نہ ہونا، سیلاب آجانا، زلزلوں کی وجہ سے تباہی، ملک بھر میں پھیل جاتی ہے۔ اور ایک ہوتی ہے انفرادی مصیبت۔ فرد فرد تکلیف میں مبتلا ہو تو یہ حقیقت ہے کہ جو بھی مصیبتیں ہمیں اس دنیا میں پیش آرہی ہیں، وہ ہمارے اعمال ہیں، دنیا کے اندر گناہوں کیوجہ سے نہ صرف مجرم اور گنہ گار مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے گناہ نہ کرنے والے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے لئے تین مواطن اور تین جگہیں ہیں۔ ایک موطن دنیا، دوسرا موطن برزخ اور تیسرا موطن قیامت جس کو آخرت کہا جاتا ہے۔

آخرت کا قانون | تو آخرت کا قانون تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کی پاداش برداشت کریگا ایک شخص کا بوجھ دوسرے پر قطعاً نہیں ڈالا جائے گا۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ــــ یہ قیامت کے دن کا معاملہ ہوگا باپ کے گناہ سے بیٹے کو سزا نہیں دی جائے گی۔ بھائی کی وجہ سے بھائی کو، اگر کسی شخص کو سارے رشتہ دار دوست احباب کہہ بھی دیں کہ میرے اس بوجھ کو ذرا سا اٹھا دو میری کچھ مدد کرو تو کوئی امداد کیلئے نہیں آمادہ ہو سکے گا۔ وان تدع مثقلۃ الی حملھا لا یحمل منہ شیئا ولو کان ذا قربیٰ ــــ یہ قیامت کا قانون ہے۔

دنیا میں مجرم کیوجہ سے غیر مجرموں پر وبال | اور دنیا کے اندر حکومتوں کا بھی قانون الگ ہے۔ کہ ایک مجرم کیوجہ سے اس کے دوست احباب اور رشتہ دار بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مجرم کو پولیس نے پکڑ لیا تو وہ تلاش کریں گے کہ اس کے دوست احباب کون ہیں اس نے رات

ہاں گذاری تھی۔ فرض کیجئے کسی دوست نے رحم اور شفقت سے کام لیکر اسے رات رہنے کی جگہ دی کہ سردی ہے۔ باہر مر جائے گا۔ جگہ دیدی، لیکن صبح جب وہ مسافر جاکر کوئی بڑا جرم کر بیٹھا تو اب پولیس والے آکر رات کی جگہ دینے والے کو بھی ہتھکڑی ڈال دیتی ہے۔ کہ تم بھی شریک ہو، تمہارا بھی اس کے ساتھ مشورہ ہے۔ اس کے بھائی اس کے باپ کو بھی حراست میں لے لیتے ہیں۔ پورے خاندان کی بے عزتی ہو جاتی ہے۔ آگے ہائی کورٹ میں جاکر مسئلے کی اور مقدمے کی تنقیح ہوگی تو اصل مجرم کو سزا دی جائے اور لوگ چھوٹ جائیں گے۔ مگر فیصلے تک سب رشتہ دار اور جاننے والے مصیبت میں ہو جاتے ہیں۔ گناہ ایک نے کیا اور اس کی وجہ سے پوری قوم اور خاندان پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا وبال اس کا بوجھ اوروں پر بھی پڑ گیا کہ کوئی نہ کوئی کوتاہی سب سے ہوئی ہوگی۔

قوم موسیٰ میں اسکی مثال

بنی اسرائیل کی ایک بڑی قوم تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بارش بند ہوئی حضرت موسیٰؑ ساری قوم کو باہر میدان میں لے گئے کہ استسقاء کی دعا مانگیں کہ یا اللہ فضل فرما، قحط کو دفع کر دے، بارش برسا ہمارے گناہوں کو بخشدے مگر بارش نہ ہوئی حضرت موسیٰؑ کو حیرت ہوئی، عرض کیا کہ یا اللہ میری دعا تو آپ نے ہمیشہ قبول فرمائی۔ مگر اس دفعہ بارش نہیں ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے جواب دیا کہ تمہاری اس قوم میں اس مجمع میں ایک مجرم ہے۔ چالیس برس سے وہ ایک گناہ میں مبتلا ہے۔ ۴۰ برس سے میں نے اس کا مؤاخذہ نہیں کیا ہے۔ وہ تو غفور الرحیم ہے مگر اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ ظالم کو دیر سے پکڑتے ہیں مگر جب پکڑ لیتے ہیں تو پھر اس کا قلع قمع فرما دیتے ہیں۔ تو چالیس برس تک اسے کچھ نہ کہا۔ مگر وہ شخص اپنے گناہوں سے تائب نہیں ہوتا۔ اب اس کو یہاں سے نکال دو تب دعا قبول ہوگی حضرت موسیٰ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اس بڑے مجمع میں ایک شخص ہے جو خدا کا مجرم ہے۔ یہاں سے نکل جائے۔ اور وہ مجرم بھی کیا تھا جرم بھی عرض کر دوں۔

اس دور میں منافقت کا نام سیاستدانی رکھا گیا ہے۔

وہ شخص دو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا تھا ہم تو اس چیز کو سیاستدانی سمجھتے ہیں ہمارے ہاں عقلمند اور سیاستدان وہ ہے کہ "اذا حدث کذب" جب باتیں کرتا ہو تو کچھ نمک مرچ جھوٹ کا اس میں ضرور ملا دے۔ ظاہر میں ایک ہو باطن میں کچھ اور ہو۔ یہ منافق کی علامت ہے کہ بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اس پر اعتماد کیا جائے تو وہ امانت میں خیانت کرے۔ مگر آج کل یہ تینوں باتیں جس میں زیادہ جمع ہوں وہ بڑے سے بڑا سیاستدان ہوتا ہے۔ چغلخوری کرتا ہے۔ ہر ایک کو جاکر دوسرے کی برائی کرے کہ فلاں تم تمہارا دشمن ہے اس نے یہ باتیں کیں اس کو بھڑکا دیا اس کو غصہ دلایا وہاں سے یہاں آیا اور کہا کہ تجھے معلوم

نہیں فلاں آدمی تو بازار میں بیٹھا تمہارے پیچھے یہ یہ باتیں کررہا تھا۔ دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ اب ہر ایک چاہتا ہے کہ بس چلے تو دوسرے کو ذلیل کردوں۔

چغلخور اور جاسوس تو جیسا آگ جلانے والا پہلے چھوٹے چھوٹے تنکے جمع کردیتا ہے۔ پھر اس پر بڑی لکڑیاں رکھ دیتا ہے۔ دیا سلائی لگاتے ہیں۔ آگ بھڑک جاتی ہے تو مسلمانوں کی لڑائی کا آغاز سب سے پہلے چغلخوری کے ذریعہ ہوجاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ لا یدخل الجنۃ نمامٌ او قتاط۔ چغلی کھانے والا شخص جنت میں نہیں جائے گا، مخبری کرنے والا نہیں جائے گا۔ دیوار کے پیچھے کان لگا کر باتیں سننے والا کہ اسے اوروں تک پہنچا دے یہ لڑانے والا ہے یہ ملک اور قوم کو تباہ کرنیوالا ہے۔

مسلمان ملاتا ہے لڑاتا نہیں مسلمان تو وہ ہے جو ملانے والا ہو لڑانے والا مسلمان نہیں ہوتا۔ مسلمان کی تعریف تو یہ ہے کہ : المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ ۔ مسلمان وہ ہے جس میں سلم ہو، صلح ہو، آشتی ہو اور جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے جو کہتا ہے پہلے سوچتا ہے۔ کہ اس بات سے کسی کی دلآزاری، کسی کی تذلیل تو نہیں ہوگی کوئی مجھے جھوٹا تو نہیں کہے گا کوئی خلاف واقعہ بات تو نہیں کوئی خلاف عقل چیز تو نہیں، کوئی اس سے مذاق تو نہیں کرے گا۔ تو پہلے تولو پھر بولو مسلمان وہ ہے جس کے ضرر سے دوسرے اس کی زبان کے ضرر سے محفوظ ہوں۔

خیر الناس من ینفع الناس ۔ بہترین انسان تو وہ ہے جو مخلوق کو نفع پہنچائے ہمیں تو یہ سبق دیا گیا کہ راستے میں جو ضرر پہنچانے والی چیز ہے تو اُسے بھی ہٹا دو اور یہ ایمان میں داخل بات ہے ــــ وادناھا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق ـــــ قدم رکھتے ہوئے بھی خیال رہے کہ تمہارے قدموں کے نیچے چیونٹی نہ آئے اس کا بھی سوچے ـــــــــــ ۔

الغرض تو وہ بنی اسرائیلی شخص مسلمانوں کو لڑانے والا تھا۔ جسے ہم سیاست سمجھتے ہیں۔ اس کو ہوشیاری سمجھتے ہیں۔ ہر فریق کو اپنا دوست کہے اور جو کسی کا بھی دوست نہیں صرف اپنے پیٹ کا دوست ہے۔ بظاہر سب سے نبھاؤ ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اس کے مزاج کی باتیں ہیں اپنی بڑائی مخاطب کی بڑائی اور دوسروں کی حقارت یہ چغلخوروں کا کام ہے۔ تو وہ شخص چالیس سال سے چغلخوری کر رہا تھا۔ خدا نے مہلت دی پھر عذاب نازل کیا۔ ساری قوم پہ بارش بند ہوگئی تو خداوند کریم نے فرمایا کہ اے موسیٰ اس کو یہاں سے نکال دو معلوم ہوا کہ برائی کرنے والے کو اگر ندامت نہ ہو اور اسے معاشرے میں رہنے دیا جائے گا تو غیر مجرموں کو بھی اس کی وجہ سے مصیبت اٹھانی پڑے گی ــــ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ایک مجرم کی وجہ سے سارے ملک میں قحط ہے۔

اس مجرم کو ہم کہتے ہیں کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ اس اعلان کے کچھ دیر بعد بادل آیا اور خوب بارش ہوگئی سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ جس شخص کی وجہ سے بارش بندتھی یہاں سے عبادت گاہ سے تو کوئی اٹھ کر گیا نہیں مگر بارش ہوگئی۔

| استغفار اور توبہ کی وجہ سے مصیبت ٹل گئی | اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اسی شخص کی وجہ سے

بارش ہوگئی۔ اللہ کی رحمت کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ کے اعلان کرنے کے بعد اس نے گریبان میں منہ ڈال دیا رونے لگا کہ یا اللہ تو نے چالیس برس میرا پردہ رکھا۔ میری عزت آبرو رکھی اب اگر یہاں سے اٹھ کر چلتا ہوں تو سب پیچھے دیکھیں گے کہ یہ ہے وہ مجرم جس کی وجہ سے بارش بند ہوئی تو میری بڑی رسوائی ہوگی۔ یا اللہ میری توبہ ہے، میں نادم ہوں، میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کروں گا تو نے چالیس برس تک میرے عیوب کو چھپا دیا، اب بھی چھپالے۔ اس نے اخلاص سے کر دیا تو خدا نے بخش دیا۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل	اللہ کے سامنے بخشش کی درخواست کرو
السماء علیکم مدرارا ویمددکم	وہ خوش ہوتا ہے بخشنے والا ہے
باموال وبنین ویجعل لکم انھارا	پانی بہا دینے والا بادل تم پر بھیجے گا
	دریا جاری ہو جائیں گے۔

تو بہرحال ایک کے گناہ کی وجہ سے قحط ہوا۔

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین	ڈرو ایسے فتنہ سے جو صرف ظالموں کو
ظلموا منکم خاصۃ۔	اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔

اور پھر ایک کی توبہ کی وجہ سے عذاب رفع بھی ہوا۔ اور پھر حضرت موسیٰ نے اس شخص کا نام پتہ دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس جرم اور گناہ یعنی چغلخوری سے میں روکتا ہوں تو خود اس کی چغلی کیسے کروں اور کیسے اپنے بندہ کی پردہ دری کروں تو نام نہیں بتلایا۔

| صرف اپنا نہیں اوروں کا کردار بھی درست کرنا ضروری ہے۔ | حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

ایک دفعہ فرمایا۔ اے لوگو اس آیت کی وجہ سے کسی غلط فہمی میں نہ پڑنا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا یضرکم من	اے مسلمانو اگر تم سیدھے راستے پر چلنے
ضل اذا اھتدیتم۔	لگو تو گمراہوں کی گمراہی تمہیں کوئی ضرر نہیں
	پہنچائے گی۔

آیت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے۔ اور آج بھی لوگ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنی قبر میں دفن ہوگا۔ ہمیں اس سے کیا کہ نماز پڑھے نہ پڑھے۔ گھر کے لوگ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔؟ ہمارا بھائی جُوا کھیلتا ہے تو کھیلتا رہے۔ وہ اپنی قبر میں میں اپنی قبر میں جاؤں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھو جو ظالم ہوگا تمہارے اندر، اس کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ لو روک لو اس کو ظلم سے اور نہایت سختی سے اس کو ظالم سے روک دو ورنہ اگر تم نے اس کی پرواہ نہ کی قاتل کو قتل سے ظالم کو ظلم سے۔ نہ روکا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایسے عذاب آئیں گے کہ تم ہاتھ اٹھا اٹھا کر رووگے کہ یا اللہ یہ عذاب ہم سے اٹھا دے لیکن تمہاری دعائیں بالکل قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ تم نے ظالم کو ظلم سے نہیں روکا۔ گویا حضرت ابوبکرؓ نے بتلا دیا کہ لا یضرکم تب ہے کہ اذا اھتدیتم۔ جب تک تم سیدھی راہ پر چلتے رہوگے اور اھتدا مسلمانوں کا یہ نہیں کہ صرف اپنا کردار ٹھیک کر دے بلکہ دوسروں کے کردار کو بھی درست کرائے تبلیغ کرنا وعظ و نصیحت کرنا امر بالمعروف عن المنکر کرنا یہ اھتدا میں شامل ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ والافبلسانہ والافبقلبہ — برائی دیکھ کر طاقت ہے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے نہیں تو زبان سے یہ بس بھی نہ چلے تو دل سے اس کو برا سمجھے ــــــــ

اولاً حکومت کا فرض ہے کہ برائی کے خلاف جہاد کرتے رہنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر یہ طاقت بھی نہیں تو دل میں تو اس چیز کو نہایت برا سمجھے۔ لیکن آج تو برائی کو اچھائی ثابت کیا جا رہا ہے ہماری وابستگی اور محبت سب سے بڑھ کر اس شخص کے ساتھ ہے جو سب سے زیادہ خراب ہو۔ سب سے زیادہ قدر اس کی ہے جو غنڈہ ہے کہ یہ شخص کام کا ہے۔ یہ دوسرا صوفی، ملا کیا کر سکتا ہے۔؟ اس کے ہاتھ میں ہے کیا۔؟ تو ایسے وقت میں خدا کے عذاب آئیں گے۔ تم دعائیں کرتے رہوگے کہ یا اللہ مصیبتیں دور فرما، مگر تمہاری دعائیں کون سنے گا۔ اذا اھتدیتم۔ تب ہوگا کہ دوسروں کو بھی سیدھے راستہ پر چلاؤگے امر بالمعروف کروگے اور اگر اوروں کا ہاتھ نہ روکا تو ایک کے جرم سے دوسرے بھی پکڑے جائیں گے۔ گنہگاروں کی وجہ سے بے گناہ بھی مبتلا ہوں گے۔ آج گرانی سب پر ہے۔ بارش سب پر نہیں برستی، بہت سے نمازی بھی قحط اور آفات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ اکثریت بے دین ہے۔ ۹۰ فیصد بے نماز ہیں، دس فیصد نماز پڑھ بھی لیں مگر ان کے گھر میں بھی دس بے نماز ہیں۔ اپنے بیوی بچوں اہل و عیال کی بے نمازی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہہ دیتا ہے کہ میں نے کہہ دیا مگر مانتے نہیں حالانکہ

اس سے کام نہیں چلے گا، بار بار کہنا اور ہر وقت اس میں لگے رہنا ضروری ہے۔

ایک نبی کا واقعہ | ایک دفعہ بیت المقدس پہ تباہی آئی ایک پیغمبر وہاں سے گذرے، دیکھا کہ ساری آبادی عمارتیں اوندھی پڑی ہیں۔ تباہی سے سارا شہر برباد ہو چکا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ یہ تو سب لوگ مر گئے اس میں تو بوڑھے بچے بھی ہوں گے۔ اس میں تو بے گناہ بھی ہوں گے۔ اگر عذاب آنا تھا۔ تو جو مجرم تھے وہ پکڑے جاتے۔ یہ ایک طالبعلمانہ سوال تھا نبی کا اس نے اپنے مولیٰ سے دل کی بات عرض کر دی۔ اس وقت تو جواب نہ ملا۔ مگر راستہ پہ جاتے ہوئے تھک گئے۔ ایک درخت کے سائے میں استراحت فرمایا۔ تو ایک چیونٹی نے آکر انہیں بری طرح کاٹ دیا۔ نیند سے اٹھ بیٹھے، ساتھی بھی ساتھ تھے فرمایا مسافر یہاں ٹھہرتے ہیں۔ یہ چیونٹی تو بڑی مضر ہے۔ مسافروں کو تکلیف دے گی۔ فرمایا اس کے سارے سوراخ کھود کر ختم کر دو۔ جلا دو۔ اسے سارے سوراخ کو جلا دیا گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب آیا: هلا نملة واحدة۔ تجھے تو ایک چیونٹے نے کاٹا تھا تونے تو ساری چیونٹیوں کو یہاں سے بے گھر کر دیا۔ مار ڈالا۔ ایک تو یہ جواب تھا کہ بچھو سے بچھو ہی پیدا ہوگا۔ ایک بچھو نے آپ کو کاٹا آپ سارے کے سارے بچھو قتل کرتے رہتے ہیں کہ سب کی طبیعت میں نیش زنی ہے۔ ایک سانپ نے کاٹا مگر جو بھی سانپ ملے سب کو قتل کرتے ہیں کہ سب کی طبیعت ایک جیسی ہے۔ ایک کو موقع کاٹنے کا ملا اوروں کو ملا نہیں ورنہ مزاج سب کا یکساں ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ دنیوی قانون ہے کہ گنہگار کیوجہ سے غیر مجرم بھی عذاب میں آجاتے ہیں۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات بھی عذاب کا نمونہ ہیں۔ | بھائی آج ہمارے مصائب اور تکالیف کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ مسلمانوں کا آپس میں تشتت و افتراق۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کاٹنا یہ بھی ایک عذاب ہے۔ اور ساری قوم اس کی لپیٹ میں ہے۔ اور حضورؐ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ میری امت ساری کی ساری کافروں کی غلام نہ بن جائے اللہ نے قبول کی پھر دعا کی یا اللہ ساری کی ساری امت قحط سے مسخ سے قذف سے ہلاک نہ ہو۔ یہ بھی قبول ہو گئی۔ پھر دعا کی یا اللہ میری امت آپس میں نہ لڑے۔ فرمایا یہ دعا نہ کرو جب یہ بدعمل ہو جائیں تو ایک دوسرے کی گردن کاٹیں گے کچھ نہ کچھ سزا تو انہیں دنیا میں ملتی ہی ہے۔ تو آج امت کا باہمی مخالفت اور ایک دوسرے کے گلے کاٹنا ایک دوسرے کی توہین و تذلیل بارش نہ برسنا، گرانی، یہ سب عذاب ہیں۔ اور ہر شخص گریبان میں منہ ڈال کر سوچ سکتا ہے۔ گھر میں جاکر جائزہ لے سکتا ہے۔

توبہ اور رجوع الی اللہ | سب کا علاج وہی ہے۔ جو اس اسرائیلی نے اختیار کیا یعنی توبہ و نداء

اور دینی حالت میں تبدیلی۔ اللہ کا ارشاد ہے: استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا۔۔۔ حدیث قدسی میں ہے: کلکم خطاءون وخیر الخطائین التوابون۔ کہ خطاکار تو سب ہیں مگر خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گناہوں سے تائب ہو جائے۔ دین کیطرف اللہ کیطرف پلٹ جائے۔ اللہ توبہ سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو بھی گھر واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ افلاطون نے حضرت موسیٰؑ سے امتحاناً پوچھا کہ آسمان کمان بنے۔ مصائب اور آفات تیر ہوں اور تیرانداز خود اللہ تعالیٰ ہو۔ مصیبتوں کی بارش برسے تو بچنے کی صورت کیا ہے۔ فرمایا تیر پھینکنے والے کے دامن میں آجاؤ، بچ جاؤ گے۔ افلاطون سمجھ گیا کہ یہ نبی کا جواب ہو سکتا ہے تو ہمارا گھر بھی اللہ ہی کا در ہے۔ اگر جوانی بھولے میں گذری، بڑھاپے کی شام میں اللہ کے در پر آجاؤ یا اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی آئندہ آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ تو پھر بھی وہ بڑا مہربان ہے۔ بڑا رحیم ہے، وہ بڑا کریم ہے۔ اور جب اکثریت اللہ کیطرف متوجہ ہوگی تو خدا کی رحمت متوجہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسائل حل فرمادے گا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا حضورؐ تلوار حمائل کر لیتے وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔۔۔۔ مگر آج کیا حالت ہے۔ ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو سو سوراخ کھل جاتے ہیں۔ ایک دروازہ بند کرتے ہیں تو سو دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور جب تک ہم رجوع الی اللہ نہیں کریں گے مسائل ختم نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے، فرماتا ہے: یا ایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃً نصوحاً اخلاص کے ساتھ توبہ کرو یغفرلکم۔ امید ہے کہ وہ تمہیں بخش دے گا۔ توبہ دل سے ندامت کہ یا اللہ شرمندہ ہوں۔ تیری کفران نعمت کی ہے۔ تیرے احسانات کے مقابلہ میں ناشکریاں کیں۔ اب میں قصد کرتا ہوں کہ آئندہ کے لئے برائی کیطرف نہ جاؤں گا۔ دیکھو پھر بھی اگر بمقتضائے بشریت کوئی غلطی ہو جائے۔ پھر ہو جائے۔ پھر ہو جائے۔ پھر توبہ کرلو۔ لیکن ہر توبہ کے ساتھ آئندہ قصد ہو کہ گناہ کے نزدیک بھی نہیں جاؤں گا۔ تو وہ معاف کر دے گا۔ مگر ہم تو اس کی طرف جھکتے بھی نہیں کہ چلو بخش دے گا۔ وہ غفور الرحیم ہیں، چلو بخش دے گا۔ مگر وہ تو اس کی مرضی پر ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ بخش دے۔ ایک پیالہ زہر کا تمہارے سامنے کوئی رکھ دے کہ بھئی پی لو اللہ کا نام لے کر وہ مہربان اور غفور الرحیم ہے۔ بچا دے گا۔ تمہیں تندرست رکھے گا۔ بھائیو! پھر یہ زہر کا پیالہ پی لوگے۔۔۔؟ ہزاروں دفعہ کہہ دو کہ خدا غفور الرحیم ہیں، پی لو، مگر کبھی نہیں پیئے گا۔ لیکن جب گناہ کا مسئلہ آئے تو چلو خدا مہربان ہے، سب کچھ کرلو۔۔۔۔ تو بھائیو! ٹھیک ہے خدا کی رحمت سے ناامیدی نہیں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اس کیطرف رجوع ہونا چاہیئے۔۔۔۔ یا اللہ اس پوری امت کو بھلائیوں سے مالا مال کردے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مکتوب بنام مدیر الحق

شاعر اسلام جناب حفیظ جالندھری

شاہ فیصل آنِ ایماں پہ نچھاور ہوگیا
نذر حبِّ امتِ محبوب داور ہوگیا

شاہ فیصل شہیدؒ

میری نظروں میں

بخدمت جناب مدیر الحق ۔ سلام مسنون قبول فرمائیے ، اور شکر بھی کہ میری لب بستگی کے باوجود الحق سے محروم نہیں ہوا ـــــ پنسل سے لکھنے کے لئے مجبور ہوں ۔ اور عفو کا طالب ـــــ !
ابھی اسی وقت اپریل ۷۵ء کا شمارہ آیا ۔ تو میں نے مطالعہ کیا اور پنسل نام کا قلم اٹھایا ۔ شاید کل صحت اور ہجوم افکارِ حالات و واردات حاضرہ نسیان سے آئیں ۔ گذارشات حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ نقشِ آغاز کے زیرِ عنوان حضرت سعدی کے آنسوؤں سے لکھے ہوئے مرثیہ میں رد و بدل مناسب نظر نہیں آیا ۔ تاتاری ہلاکو خان کے تاریخی قتل و غارتِ بغداد کے وقت آخری عباسی امیرالمومنین مستعصم باللہؒ تھے ۔ اگر آپ بزوال ملک بھی رہنے دیتے ۔ اور نام امیرالمؤمنین شہید کا بھی قائم رکھتے تو کوئی نقصان یا کمی شاہ فیصل کی شہادت کے اندوہناک تذکرے میں نہ ہوتے ۔ فقط ایک سطر چنگیزی تاتاریوں کی اور آج امریکی " یار ماریوں " مماثلت کے لئے بڑھانا ساری تاریخ اسلامی کے دور پر نظر ڈالنے کیطرف اشارا ہو جاتا ۔

۲۔ اس نقشِ آغاز کے صفحہ ۳ پر بیسویں سطر یہ :

انہوں نے سیاسی تدبّر اور معتدل طبیعت کے ساتھ
اپنے " مغربی دوستوں پر بھرپور وار کئے ۔

مولانا ! " اپنے دوستوں " کے معنی پر میں معترض ، آپ اگر " دوست نمادں " پر لکھتے ، تو پڑھنے والے بھی دوست کے معنی جانتے ہیں ۔ شاہ فیصل شہید کو دشمنانِ اسلام سے دوستی رکھنے والا نہ سمجھیں گے ۔ دشمنانِ اسلام سے دوستی نہیں ۔ تدبیر و مصلحت سے بھی کام لیا جاتا ہے
معافی چاہتا ہوں ۔ مقصود اعتراض سے اصلاح معانی ہے ۔

۳۔ شاہ فیصلؒ سے مجھے دو مرتبہ شرف نیاز حاصل ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء میں مجھ غریب کے حج و زیارت کے دوران محترم نواب بہاول پور نے مکہ معظمہ سے باہر اپنے خیمہ گاہ میں ان کو دعوت دی تھی۔ اس وقت وہ شہزادہ فیصل تھے۔ ان کے برادر اکبر ولی عہد تھے۔ ہز ہائی نس مجھے بلا کر ان سے ملوایا۔ مجھ سے شاہنامہ اسلام جلد اوّل میں سے اشعار سنوائے اور ایک مترجم جنکا اسم گرامی محمد خان تھا ان اشعار کا عربی میں ترجمہ کیا۔ فیصل بہت مسرور ہوئے۔ مجھے گلے سے لپٹایا اور ایک رومال اپنے ساتھیوں سے لیکر میرے سر پر لپیٹ دیا ——— چند روز بعد محمد خان ہی کے ذریعے مجھے ملک الحجاز والنجدؒ کے دربار میں لے جایا گیا۔ حافظ وہبہ اور شہزادہ فیصل نے مجھے النشاء لاسلام کے نام سے پیش کیا۔ اوّل و دوم جلدیں شاہنامہ اسلام شہزادہ فیصل نے مجھ سے لے کر پیش کیں۔ مولانا اسمٰعیل غزنوی اس کتاب کے بارے میں تعارفی گفتگو کرتے رہے۔ اور شاہ نے دونوں کتابیں لے کر فرمایا الا ہوا عربی میں ترجمہ کیا جائے گا۔

جس وقت یہ ہو رہا تھا، ایک اور صاحب کو پیش کیا گیا جو انگریزی دور میں پنجاب کے بڑے زمیندار رئیس اعظم ہی نہیں بلکہ انگریزوں کے لئے لڑنے مرنے کی خاطر ایک رسالہ اپنی جاگیروں کی آمدنی سے بنا کر جرنیل کا خطاب پائے ہوئے تھے ——— وہ اتنا جھکے کہ ان کا سر تقریباً زمین سے ایک ڈیڑھ فٹ اونچا رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رخصت ہوئے تو باپ بادشاہ نے اپنے فیصل شہزادے کیطرف مسکرا کر دیکھا، ان فیصل بیٹے نے بھی مسکرا کر جو اعلانیہ کہا اس کا یہ اظہاری کلمہ مجھے اب تک یاد ہے۔ ھٰذا الکلب الانکلیس ——— (یہ انگریزوں کا کتا ہے۔)

دوسری مرتبہ ۱۹۳۷ء میں مجھ کو ملاقات کا شرف پیرس میں دیا گیا۔ سر شیخ عبدالقادر اور میں دونوں ایک ہوٹل میں دعوت عشائیہ پر بلائے گئے تھے۔ ہمارے پیرس میں ہونے کی یہ اطلاع ان کو فرانسیسی اخبار میں میری تصویر چھپی ہوئی دیکھ کر ہوئی تھی اس مرتبہ میں نے محاربہ بدر ان کو سنایا۔ لیکن اس کا ترجمہ کرنے والا کوئی عربی دان تو تھا نہیں۔ البتہ شیخ صاحب جو عربی جانتے تو تھے۔ ترجمہ کرنے میں دقت محسوس کرتے تھے مطلب بیان کر دیا تھا۔

یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ مجھے اس وجود مسعود سے قلبی ذہنی اور دینی تعلق ایسا تھا کہ وہ جب گذشتہ فرمانروان ممالک اسلامی کی کانفرنس لاہور میں آئے تو میں ان سے ملنے کی تمنا پوری نہ کر سکا۔ دو مرتبہ حضرت مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بھی اس عاجز پر مدت سے مہربان تھے۔ ان سے عرض کیا کہ شاہ فیصل سے ملوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا سخت

ہجوم ہے۔ اور یہ ہجوم ایسا ہے کہ جس طرز کی ملاقات درکار ہے ممکن نہ ہو گی۔ البتہ میں اگر اپنی بحالی صحت کے بعد مکہ معظمہ کا سفر برائے عمرہ یا حج کر سکا۔ تو (مفتی اعظم) میرے لکھنے پر شاہ فیصل کو میرے اشتیاق ملاقات لکھ کر مطلع کر دیں گے ——

ہائے وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی۔ دونوں۔ اس دور کے سب سے بڑے، سب بلند و بالا اسلامی روشنی کے مینار منہدم کر دئے گئے۔

یہ خبر۔ یہ سنانی۔ کہ شاہ فیصل کو ان کے بھتیجے نے شہید کر دیا۔ میں نے کراچی میں سنی میں وہاں اپنی ایک بیٹی کے گھر اپنی آخری تیمارداری حاصل کرنے گیا ہوا تھا۔ اس خبر نے مجھ پر بجلی گرادی —— میں آجکل شکستِ دماغ کی وجہ سے شعر کی فکر میں کامیاب نہیں۔ البتہ میرے قلب و جگر کا خون یہ اشعار جیسے بھی ہیں الحق کے لئے حاضر ہیں۔

بارشِ خوں کیوں نہ برسائے زمین پر آسماں
مرکزِ اسلام سے اٹھا ہے آہوں کا دھواں
خادمِ حرمین وہ دینِ مبیں کا پاسباں!
وہ مدبّر، وہ مجاہد، غازیٔ صاحبقراں

شاہِ فیصل آن ایماں پہ نچھاور ہو گیا نذرِ حبِّ امتِ محبوب داور ہو گیا

جو بھی ہو، ہو تا رہے اس قتل پر ردّ عمل
اپنے پاکستان میں آتا نہیں کوئی خلل
اک بھتیجے ہی کے ہاتھوں سے چچا کی ہے اجل
آج قصّہ مختصر ہے، حال کھل جائے گا کل

روس و امریکہ ہمارے دوستوں کے تخت گاہ آج کی ہڑتال کے معنوں پہ کم لیں گے نگاہ

ہم تو ان خبروں سے ہو لیتے ہیں لطف اندوز روز
رات کو جلسے جماتے ہیں یہ غم افروز روز
شب چراغاں کے لئے روغن ہیں یہ خوں سوز روز
رقص و قوالی دکھاتے ہیں سبق آموز روز

ہم مسلماں ہیں تنسانی حسن کے سر دھنتے نہیں نکتہ عیب ہے یہ پھول ہم چنتے نہیں

اس سے آگے جو وہ بند اور ہیں، وہ فی الحال آپ چھاپ نہ سکیں گے! اس لئے حد ادب۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

لبنانی مسلمانوں کی صورتِ حال پر ایک نظر

جہاں مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل کردی گئی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے پچھلے سال رابطۂ عالم اسلامی کیطرف سے ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت سے مغربی ایشیا کے مسلم اور عرب ممالک کا دورہ فرمایا۔ اس معلوماتی اور دعوتی دورہ کی روئداد انہوں نے حال ہی میں "دریائے یرموک سے دریائے کابل تک" کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں ان ممالک کا دینی ثقافتی سیاسی اور اقتصادی نقشہ اور وہاں کی دینی اور روحانی کشمکش کی تصویر نہایت پیارے انداز میں کھینچی ہے۔ لبنان کے بارہ میں پیشِ نظر مضمون اسی سفرنامہ سے لیا گیا ہے۔ غور کیجئے کہ یورپ کی سامراجی اور مسیحی ذہنیت کن کن طریقوں سے مسلمانوں کے خلاف کارفرما رہتی ہے۔

(ادارہ)

اب وقت آگیا ہے کہ ہم لبنانی مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی صورتِ حال پر ایک نظر ڈالتے چلیں، یہ ایک پیچیدہ اور مخصوص صورتِ حال ہے، جس کا اندازہ دوسرے ملکوں کے باخبر سیاستدان بھی آسانی سے نہیں لگا سکتے، جس شخص نے لبنان کا دورہ نہ کیا ہو اور وہاں کے حالات پر دقت نظر سے غور کرنے کا موقع اس کو نہ ملا ہو تو وہ اس صورتِ حال کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔

مختصر یہ کہ لبنان کے مسلمان دولتِ عثمانیہ کے خلاف عربوں خصوصاً شامیوں کی بغاوت اتحادیوں کے وعدوں پر اعتماد، اور خلافتِ عثمانیہ کے دائرہ سے خروج کی سزا اور نحوست سے ابھی تک عہدہ برآ نہیں ہوسکے ہیں، وہ خلافتِ عثمانیہ جو اپنی تمام غلطیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اسلامی

قوت اور اسلامی اتحاد کا نشان اور مقامات مقدسہ کی محافظ تھی، غالباً اس تاوان میں جو عربوں کو ادا کرنا پڑا ہے۔ اور آج بھی ادا کر رہے ہیں، لبنان کے مسلمانوں کا حصہ شام کے دوسرے باشندوں سے زیادہ ہے، لبنانی مسلمان آج بھی اس پیچیدہ، مخصوص اور نزاعی صورت حال کے دباؤ سے کراہ رہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جبل لبنان میں عیسائیوں کی اکثریت تھی، اس کے برخلاف ساحل اور لبقاع میں مسلمان اکثریت میں تھے، پھر ۱۹۲۰ء میں بیروت، صیدا، بعلبک، لبقاع، حاصبیا اور راشیا کا لبنان سے الحاق عمل میں آیا اور جبل لبنان کو نئی جمہوریہ کی اساس و بنیاد قرار دیا گیا، ۱۹۳۲ء میں فرانسیسی حکومت نے مردم شماری کرائی جو ۳۱ر جنوری ۱۹۳۲ء کو عمل میں آئی۔ اس مردم شماری کے پیچھے سیاسی اغراض کارفرما تھے۔ دراصل فرانس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے باشندوں کی تعداد میں ایک فرقہ کو دوسرے پر فوقیت دے دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک افواہ یہ بھی پھیل گئی کہ فرانس کا مقصد اپنی نوآبادیات میں فرانسیسی فوج میں جنگ کے لئے جبری بھرتی ہے، اور مسلمان اس سے بچتے تھے، مسئلہ کی پیچیدگی میں اس سے اور اضافہ ہو گیا کہ وہ سوریا کی تقسیم کے مخالف تھے۔

ان تمام اسباب کی بنا پر مسلمانوں نے مردم شماری سے کلی فرار اختیار کیا، نتیجہ ظاہر تھا، چنانچہ اس پرفریب مردم شماری سے عیسائیوں کی اکثریت ثابت ہوگئی، لبنان کے اعلیٰ حکام نے دوسری صحیح اور مکمل مردم شماری کرانے سے انکار کر دیا، اور آج بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہیں، جبکہ پہلی مردم شماری پر چالیس برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔

اسی مردم شماری کی بنیاد پر قومی دستور مرتب کیا گیا، عہدوں اور پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم انجام پائی اور یہیں سے اس عرب اسلامی ملک میں مسلمانوں کی حیثیت اور مستقبل کا تعین ہوا، اور وہ یہ کہ مسلمان تعداد میں اکثریت کے باوجود اپنے وطن میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گذاریں گے، معاملہ کی سنگینی اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ غیر مسلموں کو لبنانی قومیت پوری فیاضی سے دی جا رہی ہے۔ اور اس طرح ان کے سیاسی مستقبل کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔

فرانس جب لبنان کو چھوڑ رہا تھا تو اس نے حکومت مارونی فرقہ کے سپرد کی اور ایک ایسا دستور (CONSTITUTION) وضع کیا گیا جس کی رو سے ساری طاقت صدر جمہوریہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ عیسائی ہوتا ہے، اس کو سب سے زیادہ اختیارات دئے گئے ہیں، وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا اور وزیر اعظم کو جس کے متعلق دستور میں ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں سے منتخب کیا جائیگا، صدر جمہوریہ ہی مقرر کرتا ہے۔ وزیر اعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ اور پارلیمنٹ جب چاہے

اس کے خلاف اور اس کے وزراء کے خلاف .... عدم اعتماد کی تجویز پاس کر سکتی ہے، وزیراعظم کے پاس مخصوص اختیارات بھی کچھ نہیں ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ صدر جمہوریہ کا ہیڈ کلرک ہوتا ہے۔ اگرچہ عملی طور پر "عزت مآب" صدر جمہوریہ کا محافظ اور ڈھال ہوتا ہے۔

یہ تو وہ دستور ہے، جو تحریری شکل میں ہے۔ اور جو لبنانی مسلمانوں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ وہاں ایک اور دستور بھی ہے، جو کہیں تحریری شکل میں نہیں ہے۔ وہ ہے وہ طریقہ جس کو لبنانی جمہوریہ اپنائے ہوئے ہے۔ ان دونوں دستوروں میں نمایاں تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے، ترقیاتی پروگراموں، مدارس، ادارے اور وظائف وغیرہ کے مستحق صرف غیر مسلم علاقے ہوتے ہیں، اخلاق و اقدار سے انحراف اور یکساں سول کوڈ کی دعوت مزید برآں جس کی اس ملک کی زندگی میں بہت اہمیت ہے، تعطیل کے ایام حکومت نے جمعہ کی بجائے سنیچر اور اتوار کو مقرر کیا ہے، حکومت کی سفارشات میں سے ہے کہ ملازمت کی بنیاد فرقہ وارانہ ہو، ان اسلامی علاقوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ترقی کے مواقع سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح جن مسلمانوں نے کسی وجہ سے لبنان چھوڑ دیا تھا، ان کو لبنانی قومیت حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے [1]

بلاشبہ اس صورت حال کی ذمہ داری لبنانی مسلمانوں پر بھی ہے، اور بہت سی چیزوں کا تعلق ان کی کوتاہ بینی اور حالات کا صحیح اندازہ نہ لگانے سے ہے، کیونکہ لبنان کے سارے حالات غیر مسلموں کی جانب سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق رونما ہوئے، اس کے برعکس مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کسی منصوبہ بندی سے کام نہیں لیا، ایک سبب مسلم پارٹیوں کے لیڈروں کی نااہلیت اور سیاسی رہنماؤں کی خودغرضی اور نفس پرستی بھی ہے۔ جو ہر قیمت پر وزارت عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرتے رہے، خواہ اس سلسلہ میں لبنان کے مسلمانوں کے مفادات اور مصالح کو قربان ہی کرنا کیوں نہ پڑے، ان لیڈروں نے کبھی لبنانی مسلمانوں کے ساتھ مساوات اور ان کے فطری اور شہری حقوق کا مطالبہ نہیں کیا، اور بعض اوقات وزارت عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرنے کے لئے "عزت مآب صدر" کی دعوت پر فوراً لبیک کہا۔ خواہ اس کی مدت چند ہفتوں اور چند دنوں سے زیادہ نہ ہو۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ لبنان کے مسلمان عرب حکومتوں اور عرب دنیا

---

[1] یہ حصہ استاذ محمد علی الضناوی المحامی کی فاضلانہ کتاب "المسلمون فی لبنان مواطنون لا رعایا" کے مطالعہ اور معلومات پر مبنی ہے۔

سے بالکل علیحدہ اور الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ان کو کسی عرب حکومت سے کوئی تعاون اور اپنے مسائل کے سلسلہ میں کسی قسم کی ہمدردی حاصل نہیں ہوتی، اس کے برخلاف عیسائی فرقہ کو تمام عیسائی یورپین قوموں امریکا اور واشنگٹن سے ہر طرح کا تعاون ملتا ہے۔ پوری عیسائی دنیا اس کی پشت پناہی کرتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کو عرب اور اسلامی دنیا سے کوئی مدد نہیں ملتی بعض حکومتیں اور بعض عرب ممالک کے دولتمند اور اصحاب خیر حضرات کچھ اسلامی اور فلاحی اداروں کے ساتھ تعاون ضرور کرتے ہیں، مگر اس سے لبنانی مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال اور ان کی آئندہ نسلوں کے مستقبل پر جو اس ملک سے وابستہ ہے۔ کوئی اثر نہیں پڑتا، حالانکہ یہ ملک اپنے جغرافیائی اور سیاسی محل وقوع کی بنا پر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور عرب ملکوں کے حالات اور مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اوپر کی سطور میں یہ اشارہ گزرا ہے کہ غیر مسلم طاقتوں نے لبنان میں مسلم عرب اکثریت کو بے اثر و بے دخل بنانے اور مسیحی فرقہ کو اس علاقہ میں دائمی اقتدار عطا کرنے کے لئے منصوبہ بند طریقہ پر کام کیا اور سب کچھ ایک مکمل و مرتب اسکیم کے ماتحت تھا حسن اتفاق سے ابھی حال میں اس کا ایک دستاویزی ثبوت ملا، یہ ایک راز دارانہ تحریر ہے، جو حکومت فرانس کی طرف سے عیسائی قائدین اور کارکنوں کی رہنمائی کے لئے مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی، یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

[یہ اس منشور کا عربی ترجمہ ہے، جو سنہ ۱۹۱۹ء میں اتفاق سے لبنان کے ایک کلیسا میں فرانسیسی زبان میں لکھا ہوا ملا تھا۔]

"مادرِ حکومت کی جانب سے اس کے مخلص فرزندوں کے نام

اے یسوع مسیح کے بیٹو!

اے وہ جنہوں نے اپنے عقائد کے تحفظ اور دفاع کے لئے صدیوں تک ذلت و رسوائی کو برداشت کیا۔ اے سترفاد اطہار! یہ دس نصیحتیں ہمیشہ یاد رکھئے:

۱۔ یہ وطن آپ ہی کے لئے وجود میں آیا ہے۔ تاکہ آپ اپنا شیرازہ اکٹھا کر سکیں۔ اور تاریخی جنگ کے بعد اپنی آزادی سے متمتع ہو سکیں۔ آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ عیسائی کے معنی لبنانی ہیں۔ اور صحرا سے آنے والے عربوں کو صحرا واپس جانا چاہئے۔

۲۔ ہم نے آپ کے لئے وہ تمام اہم انتظامات کر دئے ہیں۔ جو اس علاقہ میں آپ کی خوشحال زندگی کے ضامن ہیں، مثلاً ملکیت اراضی غیر ملکی ایجنسیاں، سیاسی صورتِ حال امور مذہبی، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ان مفادات کا تحفظ کریں اور ان میں روز افزوں اضافہ کریں۔

۳۔ تفریح گاہوں اور سیاحتی انتظامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کیجئے اور جب آپ اکثریت میں ہو جائیں تو عربوں کو ان کی بستیوں سے نکال دیجئے۔ بیروت کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں جہاں مسلمان نہ ہوں ایک ریزرو بندرگاہ کی تعمیر ہرگز نہ بھولیئے، جس وقت بھی موقع ملے اور حالات سازگار ہوں، اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کیجئے۔

۴۔ طاقت کے تمام ذرائع اختیار کیجئے، مثلاً جسمانی ورزش، اسلحہ اور نوجوانوں کی تنظیمیں، فوج سے دلچسپی لیجئے، اپنی بات پوشیدہ رکھئے۔ اپنے رفقاء پر اعتماد کیجئے۔ اس لئے کہ دشمنوں کے ساتھ معرکہ بہت طویل اور مسلسل ہے۔

۵۔ ادبی قیادت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیجئے، مثلاً کتابوں کی اشاعت اور تمام انجمنوں اور اکیڈمیوں پر آپ کا قبضہ ہو، ہرگز یہ تسلیم نہ کیجئے کہ آپ کی زبان کا سرمایہ تنہا مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ اور بغیر کسی رو رعایت کے ان تمام افکار و اشخاص سے جنگ کیجئے جو آپ کے رجحانات کی مخالفت کرتے ہیں۔

۶۔ اپنے باہمی اختلافات کو نظری اور سطحی حد سے آگے نہ جانے دیجئے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا دارومدار کافر دشمن کے مقابلہ میں آپ کے اتحاد و یکجہتی پر ہے۔ اور آپ تو اس یسوع کے فرزند ہیں جس نے ہم کو محبت کا درس دیا ہے۔

۷۔ دوسروں کے منصوبوں کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہئے، اور ان کے ساتھ مل کر کام کیجئے تاکہ اندرونی باتوں کا علم ہو سکے اور ضرورت کے وقت ان کی ظاہری تائید میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن کلیسا اور سرداروں سے ہر شخص کا رابطہ استوار ہونا چاہیئے اور اپنے مخلص آباء کے احکام کی نافرمانی نہ کرنی چاہیئے۔

۸۔ ہر بلند جگہ پر اپنے سروں کو اور اپنے شعائر کو بلند رکھئے اور یقین کیجئے کہ آزاد دنیا کی تمام عظیم طاقتیں بہت جلد آپ کے ساتھ ہوں گی، لیکن اپنا کام اس طرح کیجئے کہ گویا آپکو اس کا قطعاً علم نہیں ہے۔

۹۔ طبی اور شخصی خدمات کے ذریعہ عرب بادشاہوں اور سربراہوں سے قریب ہونے کی کوشش کیجئے! یہ سہل ترین راستہ ہے۔ اس سے کام کا وسیع میدان ملے گا، بڑی دولت حاصل ہوگی اور ان ملکوں میں بھی گھسنے کا موقع ملے گا جن میں آپ کا داخل ہونا دشوار ہے۔

۱۰۔ لبنانی قومیت کا معرکہ بہت اہمیت رکھتا ہے، بڑی ہوشمندی اور باریک بینی سے کام لیجئے تاکہ اپنے اکثریتی حقوق کا تحفظ کر سکیں ورنہ تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

مولانا مفتی سراج الدین صاحب کاکاخیل۔ لاکپور

تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے بارہ میں بعض شرمناک غلط بیانیوں کی حقیقت

تحریک ریشمی رومال "نامی کتاب پر تبصرہ

قسط ۔ ۲

مرتب کتاب عبدالرحمٰن کا مجرم ضمیر آسے خود بھی بار بار ڈرا رہا تھا۔ کہ اس قدر جھوٹ آخر لوگ کیسے سچ مانیں گے۔ اس لئے اس نے اپنے اس کھوٹے اور جعلی سکے کو تاریخ کے بازار میں رائج اور چلتا کرنے کیلئے ایک طویل تمہید باندھی ہے۔ اور اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حسنِ ظن اور حسنِ اعتماد نے ہمیشہ تحریکوں کو ناکام بنایا ہے۔ اور ریشمی رومال کی تحریک بھی حضرت شیخ الہندؒ کے حسنِ اعتماد اور حسنِ ظن کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھی۔ انہوں نے بعض افراد کو اپنا مشیر کار بنایا ہوا تھا جو کہ اندرونی طور پر انگریزوں کے جاسوس تھے اور ظاہری طور پر شیخ الہندؒ کے معتقد اور فدائی بنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ پوری کارروائیوں سے انگریز کو مطلع کر رہے تھے" صـ ۲۴۶

اور اس طویل تمہید کے بعد پھر لکھا ہے کہ:

" ایسے افراد کا نام بتانا تو آج مشکل ہے۔ اور اگر نام بتائے بھی جائیں تو لوگ اعتبار بھی نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بزرگی کی آڑ میں اپنے آپ کو بایزید و جنید بنایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت مدنی جیسا آدمی بھی ان کے نام لینے کی جرأت نہ کر سکا۔ تو میں اگر کچھ لکھوں تو دنیا کب مانے گی۔" صـ ۲۴۸

گویا مرتب خود یہ محسوس کر رہا ہے کہ میری بات پر لوگ اعتبار نہیں کریں گے۔ مجرم ضمیر اُسے اندر اندر ڈرا رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ تاثر بھی دے رہا ہے۔ کہ حقیقتاً میں تو سچ کہوں گا لیکن میری کہی ہوئی باتیں ایسی سچی باتیں ہوں گی جن کے اظہار کی جرأت صرف میں ہی اپنی بہادری، بے خوفی

اور شجاعت کی وجہ سے کرسکا ہوں، ورنہ حضرت مدنیؒ کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ ان ناموں کا اظہار کرتے۔ وہ بھی ڈر رہے تھے کہ دنیا میری تکذیب کرے گی اور کسی طرح ان باتوں پر اعتبار نہ کرے گی۔ بلکہ آگے جاکر مرتب کو یہ لکھنا پڑا کہ "حُسن اعتمادی کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے بھی آخری زندگی تک ان کو ساتھ رکھا بلکہ اپنی ایک عزیزہ سے ان کا عقد بھی کرادیا۔ اور حضرت مدنیؒ نے بھی ان کی صفائی بیان کی ہے۔" مرتب کتاب خود بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ کہ حضرت شیخ الہندؒ کا اس پر اعتماد تھا۔ آخر زندگی تک اُسے اپنے پاس رکھا۔ اپنی عزیزہ کا عقد بھی کرادیا۔ اور حضرت مدنیؒ نے بھی اسکی صفائی بیان کی ہے۔ وہ بظاہر جنید و بایزید جیسے بزرگ بھی ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود صرف میں یہ جرأت کر رہا ہوں اور یہ ظاہر کرتا ہوں کہ وہ انگریزوں کے محکمہ کے تنخواہ دار تھے اور وہ یقیناً جاسوس تھے۔
اب ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ ؎

تیر بر معصوم سے بارد خبیث بد گہر   آسماں راحق بود گر خون ببارد بر زمین

درحقیقت کسی پاک طینت اور معصوم پر اس طرح کی بہتان تراشی اور افک مبین جرأت نہیں ہوتی، بلکہ بے حیائی، بدطینتی اور اپنے خُبثِ باطن کا مکروہ ترین مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح بلند آسمان پر تھوکنے سے اپنا تھوکا ہوا اپنے چہرے پر آکر پڑتا ہے۔ اور بہتان تراش آخر کار خود سیاہ رُو اور ذلیل و خوار ہوجاتا ہے۔

اور ہیں قارئین کرام کے علم میں یہ بات لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مفتری اور کذاب عبدالرحمن کا انجام بھی یہی ہوا ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ میں کسی طنز و تشنیع کے طور پر نہیں بشفاء غیظ کیلئے نہیں بلکہ محض عبرت اندوزی کے لئے یہ عرض کر رہا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے نتیجے میں واقعتہً کسی کا کیا انجام بد ہوسکتا ہے۔ اور یہ کہ بالکل یہ حقیقت ہے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں زند

آج اس عبدالرحمن کی حالت بدعبرت اندوزی کیلئے دیکھی جاسکتی ہے۔ پورے ملک میں کوئی جانا پہچانا شخص ایسا باقی نہیں رہا۔ کہ اس نے جاکر اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرکے کچھ مانگا نہ ہو اور اپنے فقر و افلاس کی کہانی سناکر ذلیل نہ ہوا ہو۔ ہر کسی سے قرضہ لیا اور ادا نہ کرکے پھر منہ چھپاتا پھرتا رہا۔ تمام پرانے دوست احباب اس سے متنفر اور بیزار ہیں

علمائے کرام میں سے کوئی بھی اسے منہ نہیں لگاتا۔ اور اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ سلام و کلام بند ہے۔ خود اس کے پرانے شاگرد اور معتقد بھی اسکو دین سے برگشتہ آوارہ مزاج اشتراکی اور عیاش طبع سمجھ کر اس سے بیزار ہیں اور تعلقات منقطع کر دیے ہیں۔ سامری کیطرح اِنَّ لَکَ فِی الحیاۃ اَن تقولَ لا مِسَاسَ۔ کی کیفیت اسکی ہوگئی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کوچہ گرد اشتراکیوں کا جو نقشہ کھینچا تھا ع

یہ پریشان روزگار آشفتہ مغز آشفتہ مُو

ٹھیک وہی حالت اسکی ہوگئی ہے۔ جب اس کے کرتوت کیوجہ سے حنفی دیوبندی حلقوں میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی اور وہی حالت ہوگئی۔ کہ ع پھرتا ہے میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔ تو اہل حدیث حضرات کو پھنسانے کے لئے ایک دام فریب بُن کر بچھایا۔ اہل حدیث اخبار "الاعتصام" میں اعلان شائع کردیا کہ میں ۲۵ سال سے شرک فی النبوۃ کی گمراہی میں مبتلا رہا ہوں اور مقلد حنفی تھا۔ اب میں تقلید کے اس شرک فی النبوۃ کو چھوڑ کر اہل حدیث کا مسلک حق اختیار کرتا ہوں۔ بعض سیدھے سادے بھولے بھالے اہل حدیث اس کے اس دام فریب میں پھنس گئے اور بڑے خوش ہوگئے کہ ایک بولنے والا اور مدرس مولوی شخص اہل حدیث ہوگیا اور اس کو اپنے مدرسہ عربیہ جامعہ سلفیہ میں مدرس رکھا۔ اور اچھی تنخواہ مقرر کردی۔ اور اس کی عادت کے مطابق عیش و عشرت کیلئے روپیہ خوب دیتے رہے۔ لیکن جلد ہی ان کو اس کی اصل حقیقت اور اہل حدیث بننے کی اصل غرض معلوم ہوگئی۔ کہ دین سے تو اس شخص کا کوئی سروکار نہیں۔ محض ہم سے روپیہ بٹورنے کیلئے اس نے اب یہ لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ تاکہ اسی عنوان سے اہل حدیثوں سے کچھ وصول کرتا رہے اور مالی مطالبات بھی اتنے کثیر تھے کہ وہ ان سے پورے نہ ہو سکتے تھے۔ تو آخر کار وہ بھی اسکی مالی امداد سے دست کش ہوگئے اور یہ وہاں سے بھی بڑی بے آبروئی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر ایک اور جال پھیلانے لگا اور کوئی نیا شکار پھنسانے کی سوجھی۔ مشہور شیعہ مبلغ و مناظر مولوی محمد اسمٰعیل کے ساتھ یارانہ گانٹھا اور اپنے آپ کو شیعہ مسلک کا معتقد بتلا کر اُسے قابو کر کے کام نکالنا چاہا۔ اس نے اس کو اپنے مدرسہ "درس آل محمدؐ" لائل پور میں مدرس رکھا۔ اور معقول تنخواہ دیتا رہا۔ مگر وہاں بھی محض طلب زر ہی میں مصروف رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے بھی یہ اندازہ لگایا کہ یہ محض تنخواہ وصول کرنے اور عیش دنیوی کا سامان حاصل کرنے کی خاطر شیعہ معتقدات کو صحیح قرار دینے کی بات کر رہا ہے۔ اس کا مذہب محض سیم و زر اور عیش و عشرت ہے۔ اس کے سوا اس کا اور کوئی مذہب اور نظریہ نہیں۔ مدرسہ میں باقاعدگی کے ساتھ پڑھاتا بھی نہیں تھا۔ بلکہ ماہ بماہ محض تنخواہ وصول کر کے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے اور سگرٹ اور افیون وچرس کیلئے استعمال کر رہا تھا۔ اس لئے

آخر کچھ عرصہ کے بعد اس نے بھی جواب دے دیا۔ اب وہ لائل پور کی سڑکوں پر سودائیوں اور دیوانوں کی طرح بلا مقصد گھومتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یا کسی ہوٹل میں تین چار کمیونسٹوں اور آوارہ خیال ملحدوں کے حلقہ میں گھرا ہوا بیٹھا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے علماء کرام کی مذمت و تقبیح حتیٰ کہ حضرات آئمہ مجتہدین کے بارے میں گستاخی کی تقریریں کر کے ان کو خوش کرتا ہے۔ اور دین کے خلاف طرح طرح کے مواد ان کو مہیا کر کے دیتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں سگریٹ کی ڈبیہ اور چائے کی ایک دو پیالیاں مل جاتی ہیں اسی حالت میں شب و روز گذارتا ہے۔ سنا ہے کہ گذشتہ دنوں کی تحریک ختم نبوت کے دوران نزول مسیح کی احادیث پر تنقید کر کے یہ ثابت کر رہا تھا کہ اس مضمون کی ساری حدیثیں یا تو ضعیف ہیں یا ماوّل۔ اور اس طرح بالواسطہ قادیانیوں کی حمایت کرتا رہتا تھا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ یہ براہ راست قادیانیوں کے ساتھ کسی معاہدہ اور معاوضہ کے ماتحت کرتا رہا یا یہ بھی اشتراکیوں نے اسکی ڈیوٹی لگائی تھی۔ کہ آجکل تحریک ردّ قادیانیت کے دوران میں آپ اس انداز سے خدمات بجا لائیں۔ کیونکہ اس دوران میں اشتراکی اور مرزائی ایک ہو گئے تھے۔ اقبالؒ مرحوم نے جو فرمایا تھا کہ ؎

دیدۂ آغازم انجامم نگر

یہاں اس کے بالعکس اس "حضرت" کا آغاز کیا تھا۔ اور انجام آکر اب کیا ہو گیا ہے — اور اضلّہ اللّٰہ علیٰ علم۔ اور وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔ کا ایک اور مصداق خود ہمارے سامنے موجود نظر آیا۔

ان فی ذلک لعبرۃً لاولی الابصار۔ ع

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مرتب کتاب نے حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ العالی کے اجمالی تعارف کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے۔ "ان کا وطن پشاور ہے۔ کاکا صاحب کی درگاہ کے متولیوں کے خاندان سے ہے" ص ۲۴۹ اس جملہ میں بھی اس نے اپنی دنائت طبع اور خباثت کا مظاہرہ کیا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کے ایک بہت مشہور و معروف اور مرجع خلائق ولی اللہ گذرے ہیں۔ (المتوفی ۱۰۶۳ھ) صوبہ سرحد اور ملحقہ یاغستانی علاقوں اور ملحقہ پنجاب کے اضلاع میں اب تک ان کی ایک خاص اور نمایاں شہرت ہے۔ ان کا مزار قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں واقع ہے۔ اور ان کی اولاد و احفاد کاکا خیل کے نام سے مشہور

اور پورے ملک میں سادات کا ایک جانا پہچانا خاندان ہے۔ اسی کاکاخیل کے خاندان افراد کی سکونت اپنے مرکزی مقام قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ کے علاوہ صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں کے دوسرے بیشمار قصبات و دیہات میں بھی ہے۔ مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ اسی مشہور و معروف خاندان کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ یوں تو یہ سارا خاندان شرافت و نجابت اور مکارم اخلاق میں ممتاز اور شہرہ آفاق ہے۔ لیکن اس خاندان کی بھی مختلف شاخیں ہیں۔ مولانا عزیر گل صاحب کا تعلق جس شاخ کے ساتھ ہے۔ وہ پورے خاندان کاکاخیل میں بزرگی، شرافت، علوم دینیہ کے ساتھ خصوصی تعلق اور روحانیت میں ممتاز اور گل سرسبد کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہے۔ "درگاہ کے متولی" کے لفظ سے محض کسی مزار کے اصطلاحی مجاور کا مفہوم ذہن میں آتا ہے۔ جس میں ایک استخفاف کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اور مولانا کو "مجاوروں کے خاندان" کی حیثیت سے متعارف کرانا درحقیقت ان کی توہین و تحقیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ تو اقبال مرحوم کی اصطلاح کے مطابق قُم باذن اللہ کہنے والوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ذاتی طور پر بھی روحانی کمالات و فضائل کی بنا پر اور خاندانی طور پر بھی شرافت و نجابت کے اعتبار سے۔

مرتب کتاب نے اپنے زعم باطل میں ان کے جاسوس ہونے کیلئے کئی ثبوت دیے ہیں اب میں واضح کرتا ہوں کہ جس چیز کو وہ اپنی خباثت سے دلیل ثبوت کہہ کر پیش کر رہا ہے۔ اور قارئین کو مغالطہ دے رہا ہے۔ وہ درحقیقت کس قدر غلط، جھوٹ اور خلاف واقعہ محض گپ بازی ہے۔ مرتب نے لکھا ہے کہ: "دیوبند و دہلی کے خصوصی جلسوں میں یہی حضرات ہوتے تھے۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا آزاد، گاندھی جی، موتی لال، مہندر پرتاپ، برکت اللہ، ہردیال، مولانا سندھی، مولانا ہادی حسن، مولانا محمد میاں صاحب انصاری، اور مولانا عزیر گل صاحب۔ اب ان باقی حضرات میں سے کسی پر بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ بجز ان کے ــــ الخ" ص ۲۴۹

اس گپ بازی کو دیکھیئے کہ گاندھی جی۔ موتی لال اور ہردیال کو بھی ان مجالس کے شرکاء میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ حضرت شیخ الہندؒ کی اس تحریک میں یہ غیر مسلم لیڈر اس وقت بالکل شریک نہیں تھے۔ مولوی برکت اللہ بھی یہاں ان کے ساتھ نہیں رہے۔ وہ تو باہر ملکوں میں تھے۔ علی برادران اور مولانا آزاد کا تعلق عقیدت و ارادت تو تھا۔ مگر نہ اس قدر کہ وہ تمام مجلسوں میں ضرور شامل رہتے۔ بلکہ جس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ہجرت کی [illegible] اور حرمین کے سفر کیلئے [illegible] بقول حضرت مدنیؒ [illegible]

مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ گرفتار ہوکر نظر بند ہو چکے تھے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۱۸۱)

مرتب صاحب نے جتنے لیڈروں کے نام تھے مسلم وغیر مسلم سب یونہی لکھ دیئے باقی رہی یہ بات کہ یہ تمام غیر مسلم ہندو لیڈر بھی اس کے ہاں قابل اعتماد تھے۔ اور دوسرے مسلمان شرکاء مجالس بھی۔ صرف ایک مخلص و مجاہد اور حضرت شیخ الہندؒ کا سب سے بڑھ کر قابل اعتماد اور چہیتا مولانا عزیر گل قابل اعتماد نہیں تھا۔ اور ان مجلسوں کے راز اس نے جاسوسی کرکے انگریزوں تک پہنچائے۔ تو یہ ایک ایسی بات ہے۔ جو صرف اسی وقت کہی اور لکھی جا سکتی ہے۔ جبکہ کسی بد باطن نے پہلے سے یہ طے کر دیا ہو کہ مولانا عزیر گل کو مجرم اور جاسوس قرار دینا ہی بہر حال میرا مدعا ہے۔ دلیل معقول ہو یا غیر معقول میں کسی طرح سے بھی ہو۔ صغریٰ کبریٰ ملا کر یہی نتیجہ نکال کر پیش کروں گا۔ اور کہتا رہوں گا کہ میں نے بڑی جرأت کرکے وہ بات کہہ دی جو آج تک کوئی نہ کہہ سکا۔ یہاں مرتب کتاب عبدالرحمن نے اپنی اس بدباطنی کا ثبوت دیا ہے۔ مولانا کو جاسوس قرار دینے کیلئے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں کو اس تحریک اور اس انقلابی پروگرام کا علم بہت سے دوسرے ذرائع سے بھی ہو سکتا تھا۔ بہ قول حضرت مدنیؒ چاروں طرف سے سی۔ آئی۔ ڈی کا جال بچھا ہوا تھا" ص ۱۳۶

حضرت مولانا مدنیؒ نے مولانا احمد اللہ پانی پتی کے حالات کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔

جس وقت مولانا شیخ الہندؒ گرفتار ہو گئے اور کاغذات گورنمنٹ کے (حسب تحریر سابق) قبضہ میں آ گئے اور پکڑ دھکڑ اور تفتیش و تنقید شروع ہوئی تو ان کے مکان پر بھی پولیس کی دوڑ پہنچی ------- اور جب رجسٹر وغیرہ نہ ملے تو ان پر ایک مسلمان سی۔ آئی۔ ڈی مسلط کیا گیا ------ انہوں نے اس کو تمام راز کی باتیں بتا دیں۔ وہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد غائب ہو گیا اور جا کر گورنمنٹ کو بتا دیں---- الخ (نقش حیات ص ۱۹۳) کا خلاصہ۔

تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انگریزوں کو تحریک کی یہ ساری باتیں اسی قسم کے سی۔ آئی۔ ڈی کے ذریعہ سے معلوم ہو گئے ہوں۔ غالباً مولانا مدنیؒ کی مراد علی گڑھ کا مشہور گریجویٹ انیس احمد ہی ہوں جس کے بارے میں یہ بات مسلّم ہے کہ وہ ابتداء میں حضرت شیخ الہندؒ کا معتقد بنا اور راز کی ساری باتیں معلوم کر گیا اور پھر اس نے تحریک سے متعلق سارے راز افشا کر دیئے تھے۔ یا ہو سکتا ہے۔ کہ اور کوئی ہو۔ مرتب صاحب کا حضرؔ کے ساتھ یہ لکھ دینا کہ مولانا عزیر گل صاحب کے سوا اور

کوئی بھی یہ کام نہیں کرسکتا تھا یقیناً باطل اور محض افترا ہے۔

دوسرا ثبوت" اس نے یہ پیش کیا ہے کہ حضرت شیخ مالٹا سے بمبئی واپس پہنچے تو جہاز پر ہی آپ کو ایک سی۔ آئی۔ ڈی کا مولوی ملتا ہے۔ اور وہ وہ باتیں بتاتا ہے جو مالٹا کے قید خانے میں ان تین حضرات میں ہوئیں۔ الخ ص

معلوم نہیں کہ مرتب صاحب نے یہ بات کہاں سے معلوم کی ہے۔ اور کس شیطان نے اس کے کان میں پھونک کر اس" ثبوت" کی یہ پٹی پڑھائی ہے۔ اس کا ذکر نہ تو مولانا مدنی کی کتاب اسیر مالٹا میں ہے۔ جو حضرت شیخ الہند کا پورا سفر نامہ دیوبند واپس ہونے تک کا ہے۔ اور نہ نقش حیات میں اس مضمون کی کوئی بات پائی جاتی ہے۔ بلکہ ان دونوں کتابوں میں حضرت شیخ الہند کے معتمد ترین رفیق و تلمیذ اور جہاز کے ساتھی حضرت مولانا مدنی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ مولوی رحیم بخش صاحب (اس سے مراد سر رحیم بخش صاحب مرحوم ہیں ـــ ص) جہاز پر آئے اور حضرت کو خیر خواہی کے انداز میں یہ مشورہ دیا کہ آپ بمبئی میں خلافت والوں کے ہاں نہ ٹھہریں۔ سیاسیات کو چھوڑ دیں اور یہاں بمبئی سے سیدھے دیوبند روانہ ہوں مگر حضرت نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ (مختصراً از اسیر مالٹا ص ۱۲۸ و نقش حیات حصہ دوم ۲۳۲)

الغرض جہاز پر یا جہاز سے اتر کر بمبئی میں یا اس کے بعد کہیں بھی مالٹا کی اسارت کے زمانہ کی کوئی بات، کسی قسم کی گفتگو سامنے آئی نہیں)۔ یہ مرتب صاحب نے حسب عادت اپنی طرف سے سارا افسانہ گھڑ لیا ہے تاکہ اپنے دعویٰ فاسد کیلئے وہ ثبوت پیش کر سکے۔ میں ۳۳ سال سے مرتب صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اس علم کی بناء پر قارئین کو بھی اس پر یقین دلانے میں بر حق ہوں۔ کہ اس کو فرضی کہانی تصنیف کرنے میں خصوصی مہارت حاصل ہے۔ اور نرے جھوٹ کو بھی دوسروں کے سامنے اس انداز کے ساتھ بیان کرنے میں جری ہے کہ وہ بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ سامعین و قارئین کے سامنے کہتا اور لکھتا ہے کہ تم میری بیان کی ہوئی کہانی کو ضرور درست اور صحیح مان جاؤ۔ کیونکہ میں تاریخ اور فلسفہ تاریخ کا ایک ماہر ہوں۔ اور میری بات بہر حال صحیح ہوتی ہے۔

تو یہ کہانی بھی کذب و افترا کی اسی فیکٹری کی پیداوار ہے۔ یہ کوئی " دلیل ثبوت" نہیں۔ پھر اس افسانہ میں ایک گل افشانی یوں بھی ہے کہ جو تھے قیدی مولانا وحید الزمان پہلے انتقال فرما چکے تھے (ص ۲۵) یعنی اس حضرت کو ثبوت پیش کرنے والے ساتھی کا نام بھی صحیح یاد نہ رہا۔ انتقال فرمانے والے تو حکیم نصرت حسین مرحوم تھے۔ اور مولانا وحید الزمان کے نام سے تو کوئی اسیر مالٹا تھا ہی نہیں۔ حضرت

مدنیؒ کے بھتیجے وحید احمد صاحب ساتھ تھے مگر وہ تو بفضلہٖ تعالیٰ وہاں سے زندہ و سلامت واپس آئے تھے۔ ان کا انتقال تو ۱۳۵۰ھ کے بعد ہوا ہے۔ درحقیقت جھوٹی کہانی تصنیف کرنے کی نحوست کی وجہ سے جو ایک جزء صحیح بھی تھا اسے بھی غلط لکھ دیا۔ تاکہ اس کہانی کا کوئی حصہ بھی سچ اور مطابق واقعہ اس منحوس قلم سے نہ نکلے۔ جو خاصانِ خدا کی بے ادبی اور آبرو ریزی کے لئے چلنے لگا ہے۔

اس کے بعد مرتب صاحب نے نمبر ۴ لگا کر "تیسرا ثبوت" یہ پیش کیا ہے کہ :-

ان مولوی صاحب کی معاشرتی زندگی ایک بلند پایہ دولت مند کی سی رہی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ خورد و نوش اور دوسرے لوازمات امیرانہ ہیں۔ الخ صد ۲۵

ثبوت مدعا کیلئے مرتب مفتری نے اس "دلیل" کو بیان کر کے کذب و افترا بلکہ بے حیائی کی انتہا کر دی ہے۔ اور اس قدر ڈھٹائی، بے حیائی اور شوخ چشمی سے کام لیا ہے۔ کہ میں خود حیران ہوں کہ ان کو کیا نام دوں ہمارے ان بعض دوستوں کا (جو اس عبدالرحمٰن کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں اور اس کے سارے کرتوتوں اور عجز بجز سے خوب واقف ہیں۔)

خیال یہ ہے کہ یہ بات اس نے ایسے وقت لکھی ہے کہ جب زیادہ چرس پینے یا زیادہ افیون کھانے کی وجہ سے وہ ایسے نشہ میں سرشار اور مست و بے خود تھا کہ اس کے حواس بالکل مختل ہو گئے تھے اور عقل و فکر غائب ہو گئی تھی۔ اور نہیں سمجھ رہا تھا کہ میں یہ کیا لکھ رہا ہوں۔ اس لئے یہ ایک مخبوط الحواس اور پاگل کا کلام ہے۔ اس کی تردید بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ دیوانوں کی تردید کرتا ہوا عقل مند آدمی اچھا نہیں لگتا۔ مگر میں نے ان کی خدمت میں عرض کر دیا کہ اس کی یہ ساری حقیقت تو آپ کو معلوم ہے آپ اس کو ایک افیونی کی بات کہہ کر اسے لغو قرار دیں گے۔

دوسرے لوگ جو اس کتاب کو پڑھیں گے ان کو اس پس منظر کا اور لکھنے والے کی سیرت و کردار کا کیا پتہ ہوگا۔ وہ بیچارے تو اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس کو کسی شریف اور سنجیدہ مولانا عبدالرحمٰن مرتب کتاب کی عبارت سمجھ کر اس کی صداقت کا یقین کریں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں حقیقت حال بیان کر کے اس جھوٹ کے تانے بانے کو بکھیر کر رکھ دوں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مالٹا کی اسارت سے واپس آجانے کے بعد مولانا عزیر گل صاحب اپنے شیخ و استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ایک مخلص خادم کی حیثیت سے رہے۔

مولانا شیخ الہندؒ نے آپ کے ساتھ اس قدر خصوصی تعلق رکھا اور ایسی محبت کے ساتھ ہر معاملہ میں توجہ اور کرم فرمائی کرتے رہے کہ بڑے بڑوں کو آپ پر رشک آتا تھا۔ اور بہت

ہے۔ بجائے آپ کے ساتھ حسد کرنے لگ گئے تھے۔ اور جیسا کہ حضرت مدنیؒ نے نقش حیات میں اجمالی اشارہ کر کے ایک بڑی تفصیل کو چند الفاظ میں سمیٹ لیا ہے۔ کچھ حاسدین نے مختلف تدبیریں کر کے اور ترکیبیں کر کے چاہا کہ حضرت شیخؒ کی توجہ آپ سے پھر جائے یا کم ہو جائے۔ مگر کسی کو بھی کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو بہت سے فضائل و کمالات عطا فرمائے تھے اور جن کی بنا پر وہ پورے ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام میں ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتے تھے۔ اُن میں ایک خصوصی فضیلت آپ کی یہ بھی تھی کہ آپ مردم شناس تھے۔ اور اخلاص کے قدر دان و قدر افزا تھے۔ آپ کے تلامذہ اور متعلقین میں بہت سے اہل علم و فضل تھے۔ بہت سے تجربہ کار، ماہر اور ذہین و فطین تھے۔ لیکن اخلاص اور سچی محبت و عقیدت کی جو پونجی مولانا عزیر گل صاحب کے پاس تھی اس کی بنا پر دوسروں کی بہ نسبت کم عمر ہونے کے باوجود آپ نے مردم شناسی اور قدر دانی کی بناء پر مولانا عزیر گل صاحب کے ساتھ سب سے بڑھ کر تعلق رکھا۔ مولانا عزیر گل صاحب اپنے اخلاص اور صاف دلی کی وجہ سے ایک ناز کے انداز میں نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرتؒ سے بات کیا کرتے تھے۔ جو بعض حقیقت حال سے ناواقف لوگوں کو ناگوار بھی گذرتی تھی۔ کہ ایک کم عمر شاگرد و خادم یہ کس انداز سے بات کر رہا ہے۔ مگر حضرتؒ اس ناز میں بھی نیاز محسوس کرتے اور اس انداز گفتگو سے لطف لے کر مسکراتے اور اسی طرح بے تکلفی سے جواب دے دیتے اور اسی کو حضرت مدنیؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ: "مولاناؒ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی۔ اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔ (اسیر مالٹا ص ۱۱۶)"

بہت سے لوگوں کو بے تکلفی کا یہ منظر بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ آپ کی یہ "شوخی و تندی" اور بے تکلفی کبر و ناز کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اخلاص اور قلب کی صفائی کی مظہر تھی اس لئے حضرت شیخؒ کو پسند تھی۔ اقبال مرحومؒ نے صحیح کہا ہے ؎

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء ایک بجے دن کو حضرت شیخ الہندؒ مع رفقاء مالٹا سے بمبئی واپس تشریف لائے اور ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۲۰ء روز یکشنبہ کو دیوبند پہنچے۔ ۱۰ ذوالقعدہ ۱۳۳۸ھ کو آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ محرم ۱۳۳۹ھ کے عشرۂ اولیٰ کے بعد آپ تپ و لرزہ سے بیمار ہو گئے۔ بیماری کی حالت میں ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ علی گڑھ تشریف لے جاکر جلسہ کی صدارت فرمائی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے اصرار پر علاج کیلئے وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ بڑی توجہ کے ساتھ علاج جاری رہا۔ مگر وقت موعود آپہنچا اور دہلی میں ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ روز سہ شنبہ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء آپ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گویا مالٹا سے واپس تشریف لانے کے بعد قریباً چھ ماہ آپ ہندوستان میں بقید حیات رہے۔ مولانا عزیر گل صاحب اس تمام عرصہ میں آپ کے خادم خاص اور یکے از اہل بیت کی حیثیت سے سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ اور آپ کی خدمت گذاری میں مصروف رہتے تھے۔ تو اس عرصہ میں آپ کی "معاشرتی زندگی" تو ویسی رہی جو حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خادم کی ہوسکتی تھی حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے اس حادثہ فاجعہ کے بعد آپ کافی عرصہ تک حضرت شیخؒ کے مکان پر آن کے ایک معتمد علیہ تلمیذ رشید اور خادم خاص کی حیثیت سے رہے۔ اور آپ اس وقت اپنے شیخ و استاد کے خاندان میں ان کے ایک فرد اور رکن خاندان کی حیثیت سے وہاں رہتے تھے۔ اور اس وقت بلند پایہ تو کیا بالکل معمولی دولت مند کیطرح بھی آپ کی معاشرتی زندگی نہیں تھی۔۔۔ تحریک خلافت میں عملی طور پر کام کرتے تھے۔ اور لوگ ان کو حضرت شیخ الہندؒ کے ایک معتمد خصوصی صاحب السر اور صاحب العصا و النعلین خادم مخلص کے طور پر تحریک خلافت کا ایک مرکزی رہنما یقین کرتے تھے۔ اپنے حلقہ دیوبند کے اکابر علماء کے علاوہ علی برادرانؒ، مولانا عبدالباریؒ، فرنگی محلیؒ مولانا عبدالماجد بدایونیؒ اور دوسرے حریت پسند اور حکومت برطانیہ کے خلاف صف آرا رہنمایان قوم آپ کی نہایت عزت و اکرام فرماتے تھے اور آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کی ایک یادگار سمجھ کر آپ سے محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے اہل خاندان آپ کو مخلص و معتمد یقین کرکے ان کے ساتھ انتہائی محبت سے پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ اسی اعتماد و محبت کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کی ایک بھانجی نے اپنی صاحبزادی کا جن کا تعلق دیوبند کے سادات کے ایک اونچے خاندان سے تھا آپ سے نکاح کر دیا۔ اور مولانا کو اپنے گھر ہی پر رکھا۔ ان ایام میں بھی آپ کا گذارا بالکل معمولی اور ایک عام آدمی کا گذارا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان کی ان معاشی مشکلات اور گھریلو ضرورتوں کو دیکھ کر حضرت مولانا مدنیؒ نے جس زمانہ میں کہ سلہٹ میں ان کا قیام ہوتا تھا۔ آپ کو نواکھالی (مشرقی پاکستان) کے ایک مدرسہ عربیہ میں صدر مدرس کے عہدہ پر تقرر کراکر دیوبند سے بلایا۔ وہاں آپ کچھ عرصہ رہے۔ معمولی تنخواہ ملتی تھی وہ اپنے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ اور اس سے

معمولی معاشرتی زندگی گذرتی رہی۔ آپ نے ہمیشہ زہد و قناعت کی زندگی بسر کی ہے۔ بعد ازاں حضرت مولانا مدنیؒ کے مشورہ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ کی خاص شوقیہ اور اصرار کے ساتھ طلب پر آپ راندیر ضلع سورت کے مدرسہ عربیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بھی صدر مدرس تھے۔ اور مدرسہ کیطرف سے ملنے والی عام معمولی تنخواہ پر زاہدانہ گذر بسر کرتے رہے۔ وہ اگر چاہتے تو حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ خصوصی تعلق اور بعد میں رشتہ داری کیوجہ سے حضرت شیخؒ کے بہت سے مخلص و مخیر معتقدین سے کچھ دوسرے طریقوں پر ہدایا و تحائف بھی وصول کرکے آرام و راحت اور فراغی کا گذارا کر سکتے تھے۔ آپ کا محض اشارہ ہی کافی تھا۔ لوگ مالامال کر دیتے مگر یہ واقعہ ہے اور تمام جاننے پہچاننے والوں کا چشم دید مشاہدہ ہے کہ اس دوران میں آپ کے خورد و نوش اور لباس و مکان بھی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ تک تو سسرال کے مکان ہی میں رہے پھر آخر میں دارالعلوم دیوبند کے قریب ہی ایک معمولی سا مکان کرایہ پر لیا۔ اہل و عیال کی رہائش اس مکان میں تھی اور آپ پھر حضرت مدنیؒ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ رحمانیہ جامع مسجد رڑکی ضلع سہارنپور میں صدر مدرس مقرر ہو کر تشریف وہاں لے گئے تھے۔ اور ہر جمعرات کو قریب کے راستہ سے سائیکل پر آکر جمعہ گھر گذارتے۔ اور اہل و عیال کی خبر گیری کرتے تھے۔ اور پھر ہفتہ کی صبح کو واپس چلے جاتے تھے۔ اُن دنوں غالباً ۳۵ یا ۴۰ روپیہ آپ کا مشاہرہ تھا۔ شوال ۱۳۵۲ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک جب میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا۔ تو اپنے محسن فرد استاد محترم اور مخدوم مکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع نور اللہ مرقدہٗ و ادخلہ فرادیس الجنان کی شفقت و محبت کی وجہ سے ان کے واسطہ سے میں آپ کے اس مکان کے باہر مردانہ حصہ میں اقامت پذیر رہا ہوں۔ اور مجھے آپ کی معاشرتی اور معاشی زندگی کے تفصیلی حالات کا پورا پورا پتہ ہے۔ تفصیلات بیان کرنا مناسب نہیں۔ جو کہ اب تک لکھا ہے۔ یہ بھی مجبوراً ایک دریدہ ذہن کے جواب میں قارئین کو غلط فہمیوں سے بچانے کی خاطر لکھنا پڑا ہے۔

بس خلاصہ ان الفاظ میں ذکر کر سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی میں اپنے اسلاف و اکابر کا نمونہ پیش کرکے زندگی کے یہ دن گذارے ہیں۔ خود بھی ہمیشہ دستی کھڈی کے بنے ہوئے موٹے کھدر کے کپڑے پہنتے تھے اور بچوں کو بھی یہی پہناتے تھے۔ کھانے پینے میں بالکل سادگی اختیار کرتے تھے۔ کبھی بھی کسی معاملہ میں تکلف سے کام نہیں لیا۔ جیسا کہ

غرض کر دیا۔ مدرسہ رحمانیہ کی تنخواہ بالکل قلیل تھی، اس محدود آمدنی پر دو جگہ گذارا مشکل تھا۔ اس لئے شوال ۱۳۵۳ھ میں بال بچوں کو بھی رڑکی سے گئے مدرسہ کا ایک مکان بالکل چھوٹا سا تھا غالباً ۳ مربع سے زائد نہ ہوگا۔ اس میں اہل وعیال نے رہائش اختیار کی۔ اخراجات میں اضافہ ہوا اور تنخواہ قلیل تھی اس لئے مجبور ہو کر مدرسہ کی ملازمت کے ساتھ ساتھ سوختنی لکڑیوں کی تجارت بھی شروع کر دی جس کا ذکر حضرت مدنیؒ نے بھی نقشِ حیات میں کر دیا ہے۔ مگر خدا کی قدرت، اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور نیک بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔ اس کاروبار میں خاص نفع نہیں ہوا۔ اس دوران میں اہلیہ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ اور پھر ایک سیم صاحبہ سے شادی کی جس کی وجہ بالتفصیل آگے آرہی ہے۔ مارچ ۱۹۴۵ء (۱۳۶۴ھ) تک آپ رڑکی میں رہے۔ مالی حالت کمزور تھی۔ جنگ کی وجہ سے اشیاء ضرورت کی قیمتیں بھی دن بہ دن چڑھنے لگی تھیں۔ ضروریاتِ زندگی بھی آسانی کے ساتھ پوری نہیں ہوتی تھیں معمولی گذارا کی صورت بھی مہیّا نہیں تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر اپنے وطن آجانے کا فیصلہ کیا۔ ضلع مردان میں سخاکوٹ منڈی کے قریب آبائی عمدہ نہری زمین تھی جس میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ آپ کا بھی حصہ تھا۔ آپ کی اہلیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس طرح کی دیہاتی زرعی زمین ان کی اپنی مملوکہ موجود ہے تو اس نے تقاضا کیا کہ وہاں جا کر گاؤں میں رہائش اختیار کریں گے۔ تو اس زمین کی نگرانی خود کریں گے۔ بہت سی چیزیں دیہات میں آسانی کے ساتھ اور سستے داموں مہیا ہو سکیں گی۔ زمین سے اتنی آمدنی آئے گی کہ دیہاتی معاشرت کے مطابق گذارا ہو سکے گا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۵ء میں وہاں رڑکی سے نقل مکان فرما کر اس گاؤں میں تشریف لے آئے۔ اپنی رہائش کے لئے کچا دیہاتی مکان بنوایا۔ اور ۱۹۴۵ء سے لیکر اب تک وہاں سکونت پذیر ہیں۔ اور بالکل دیہاتی ماحول میں یادِ خدا میں دن گذار رہے ہیں۔ قبل از تقسیم ملک ہندوستان سے بھی، اور بعد از تقسیم پاکستان کے ہر حصہ سے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کے معتقدین و متوسلین ان کو اپنے اکابر کی ایک یادگار سمجھ کر ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ اور پندرہ بیس گھروں پر مشتمل یہ چھوٹی سی معمولی بستی ان کی برکت سے زیارت گاہ اہل عزم و ہمت بنی ہوئی ہے۔ اور ہر طبقہ کے نمایاں اور ممتاز افراد نے وہاں جا کر ان کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری دی ہے۔ اور جتنے لوگ بھی ہر گروہ کے (یعنی علماء، تجار و صناع) وہاں جا کر مولانا کے مہمان بنے ہیں وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ کیا "مولانا کی معاشرتی زندگی ایک بلند پایہ دولتمندی کی ہے۔ اور خود داری اور دوسرے لوازمات زندگی امیرانہ ہیں" یا وہ ٹھیک اپنے اساتذہ و اکابر کے نقشِ قدم پر

بھلی کر حیدی می فقر اور بوذری شان کا ایک عمدہ نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ ہاں وہ اپنے اسلاف و اکابر کی پیروی میں اور اپنے خاندانی روایات اور ذاتی سخاوت کی وجہ سے مہمان نوازی، اور آنے جانے والوں کی قدر افزائی اور اعزاز و اکرام خوب کر دیتے ہیں۔

یہ بات میں پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت مولانا کو جاننے پہچاننے والے اور وہاں آپ کے آستانہ زہد و رشد پہ حاضری دینے والے جب اس مفتری کذاب عبدالرحمٰن کا یہ لکھا ہوا جملہ پڑھیں گے۔ تو وہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ پڑھ کر اس کو ایک کذاب اشر قرار دیں گے۔

دیوبند والی اہلیہ مرحومہ سے مولانا کے دو لڑکے ہیں۔ بڑے ہو کر انہوں نے ملازمت اور پھر کاروبار شروع کر دیا۔ زرعی زمین اور سخاکوٹ منڈی میں معمولی سی تجارت سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے۔ کہ ان کا بالکل سادہ سا گزارا ہو رہا ہے۔ جیسا کہ عرض کر دیا وہ خود بھی اپنے اسلاف کی طرح سادہ پہنتے، سادہ کھاتے پیتے اور کچے مکان میں پورے زہد و قناعت کی زندگی یاد خدا میں بسر کر رہے ہیں۔ اور یہ سادگی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں۔ اُن کے بچے پوتے نواسے بھی اسی طرح سادہ خوراک و پوشاک کے عادی ہیں۔ اور اُن میں امارت و دولت مندی کے مظاہر تو کیا عام متوسط درجہ کے مالداروں کے برابر بھی کوئی چیز ہرگز پائی نہیں جاتی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت مولانا مدظلہ کسی پہلو سے بھی اپنی شہرت و ناموری کو پسند نہیں فرماتے آپ کی معاشرتی اور معاشی زندگی میں زُہد و قناعت کا اظہار بھی طبعاً آپ کو ہرگز گوارا نہیں۔ اور مجھے یہ ڈر بھی ہے کہ اس اظہار و بیان پہ حضرت مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔ وہ جو ابوالطیب نے کہا ہے

انا بالوشاۃ اذا ذکرتک اشبہ تاتی الندی فیذاع عنک فتکرہ

یہ اذاعہ بھی آپ کے ہاں مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ مگر میں اپنا یہ اعتذار عرض کروں گا۔ کہ ہم خادموں اور کفش برداروں کو یہ گوارا نہیں۔ کہ مولانا کے بارے میں کوئی دریدہ ذہن گستاخانہ الفاظ استعمال کرے کوئی کوتہ آستین دراز دستی کر کے ان کی عزت و آبرو پہ حملہ آور ہو۔ کوئی مفتری و بہتان تراش کذب و افتراء کے زہریلے تیر برسائے اور جھوٹے الزامات لگائے اور ہم اس کا مبنی بر حقیقت جواب نہ دیں اور لازماً جواب دینے میں حقائق کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ صحیح واقعات ہی پیش کر کے ایسے بد زبانوں کا منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔ الغرض ہم نے ان مجبوریوں کی بنا پہ مولانا مدظلہ کے بارے میں ان حقائق و واقعات کا اظہار کیا ہے اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہم کو معاف فرمائیں گے۔ ہمارا عذر واضح ہے۔ ع والعذر عند کرام الناس مقبول

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا محمد یوسف لودیانوی
مجلس تحفظ ختم نبوت ۔ ملتان

قسط ۔ ۲

مسئلہ جہاد کی روشنی میں اس کا فیصلہ

دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کر لیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا ۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائیگا" [۱]

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ مسیح موعود جب آئیگا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دیگا ، اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے ۔ حتی تضع الحرب اوزارھا ۔ یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آجائے ، یہی تضع الحرب اوزارھا ہے [۲] دیکھو صحیح بخاری موجود ہے ۔ جو قرآن شریف کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے ، اسکو غور سے پڑھو ۔۔۔۔۔ اے اسلام کے عالمو اور مولویو ! میری بات سنو ! [۳] میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے ۔ خدا کے پاک نبی کے نافرمان مت بنو ! مسیح موعود جو آنے والا تھا آ چکا ۔ اور اس نے حکم بھی دیدیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے ، جو تلوار اور کشت و خون کے ساتھ ہوتی ہیں ۔ باز آجاؤ" [۴]

---

[۱] رسالہ گورنمنٹ اور جہاد ۔ ص ۶ [۲] لاحول ولا قوۃ الا باللہ

[۳] مولوی اللہ دتا جالندھری بھی سنتے ہیں ۔؟ آپ سے بات ہو رہی ہے ۔

[۴] رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ۔ ص ۷ ۔ ۸

اسی رسالہ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

" دیکھو ! میں ایک حکم لیکر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے[1] اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ سو میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں "[2]

اسی رسالہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

" اب وہ مسیح موعود آگیا ہے۔ اب بہر حال خدا تعالیٰ آسمان سے ایسے اسباب پیدا کریگا کہ جیسے کہ زمین ظلم اور ناحق خونریزی سے پُر تھی اب عدل اور امن اور صلح کاری سے پُر ہو جائے گی "[3]

اسی رسالہ کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں :

" جیسا کہ حدیثوں میں صریح طور سے وارد ہو چکا ہے۔ کہ جب مسیح دوبارہ دنیا میں آئے گا تو تمام جنگوں کا خاتمہ کر دیگا سو ایسا ہی ہوتا جاتا ہے ..... ہر ایک شخص جو میری بیعت رکھتا ہے۔ اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے۔ اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے۔ .... کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے۔ کیونکہ مسیح آچکا ہے "[4]

مرزا صاحب کی کتابوں میں اس موضوع پر وافر ذخیرہ موجود ہے مگر استیعاب مقصود نہیں۔ اس لئے صرف انہی اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں، تاہم مناسب ہوگا کہ مرزا صاحب کی مندرجہ بالا تصریحات پر ایک نظر بازگشت کر لی جائے۔

مرزا صاحب کے نزدیک مسیح موعود کے بارے میں قرآن و حدیث کی تصریح ہے کہ :

---

[1] خط کشیدہ فقرہ مرزا صاحب نے جلی قلم سے لکھا ہے۔

[2] رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۱۴

[3] " " " " ص ۱۹

[4] ضمیمہ " " " ص ۷

الف :۔ اس کا دور امن و آشتی اور صلحکاری کا دور ہوگا۔

ب :۔ آسمان کے دروازے کھول دئے جائیں گے۔

ج :۔ لڑائی جھگڑوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔

د :۔ جلالی رنگ منسوخ کر دیا جائے گا۔

ہ :۔ جہاد کی شدت ختم ہوکر صفر تک پہنچ جائے گی۔

ز :۔ تمام جہاد تلوار کے ختم کر دئے جائیں گے۔

ح :۔ جہاد قطعاً موقوف اور منسوخ ہوجائیگا ــــ اور

ط :۔ دین کے لئے لڑنا حرام کر دیا جائے گا۔

چونکہ مرزا صاحب بزعم خود مسیح موعود ہیں اس لئے وہ خدائی حکم لیکر آئے ہیں۔ کہ :

الف :۔ آج سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔

ب :۔ جہاد قطعاً موقوف اور منسوخ ہے۔

ج :۔ آئندہ کے لئے بھی اس کا انتظار نہ رکھو۔

د :۔ جہاد حرام اور قطعاً حرام ہے۔

ہ :۔ جہاد خدا کی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔

و :۔ تمام کافروں کے سامنے سفید جھنڈا بلند کر دیا گیا ــــ اور

ز :۔ مسیح موعود کی فوجوں کو جہاد کے ممنوع مقام سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیدیا گیا۔

لہذا اب جو دین کیلئے تلوار اٹھاتا ہے وہ :

الف :۔ خدا و رسول کا نافرمان ہے۔

ب :۔ خدا کی حکمت کا دشمن ہے۔

ج :۔ خدا کے معجزہ کو باطل کرنا چاہتا ہے۔

د :۔ خدا سے لڑتا ہے اور خدا اس سے لڑیگا ــــ کیوں ؟

کیونکہ مسیح موعود آگیا ــــ !

یہ مرزا صاحب کی چند الہامیوں کا خلاصہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مسیح اور نسخ جہاد لازم ملزوم ہیں۔ مسیح آ چکا ہے تو جہاد نہیں اور جہاد ہے تو مسیح نہیں آیا ــــ اب اگر قادیانی امت کے نزدیک دینی جنگوں کا خاتمہ نہیں ہوا، بلکہ جہاد کی ضرورت اب بھی پیش آسکتی ہے۔ تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ مرزا صاحب

مسیح موعود نہیں سمجھتے۔ لہٰذا قادیانی لیڈروں کو کھل کر اعلان کر دینا چاہیئے کہ مرزا صاحب کو "مسیح موعود" ماننے میں ان سے "اجتہادی غلطی" ہوئی۔

قادیانی امت کو مرزا غلام احمد صاحب کا یہ فتویٰ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ :۔

اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! میں سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں، خدا کے نبی کے نافرمان مت بنو۔ مسیح موعود جو آنے والا تھا آچکا، اور اس نے حکم بھی دیدیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے باز آجاؤ" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۱۵)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۳۹ خورد)

مرزا صاحب ببانگ دہل اعلان کرتے کہ چونکہ مسیح موعود آچکا ہے۔ اس لئے دینی جنگوں کا خاتمہ ہو چکا۔ اب جنگ و قتال حرام ـــــ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے۔ جو شخص جہاد کا عقیدہ رکھے وہ خدا کا دشمن اور نبی کا منکر ہے۔ کیا قادیانی امت، مرزا صاحب کے علی الرغم جہاد کو جائز قرار دے سکتی ہے۔؟ کیا یہ وہی مثل نہیں ہو گی کہ :۔

آنچہ دانا کند، کند ناداں — لے بعد از خرابی بسیار

قادیانی لیڈروں کو "جواز جہاد" کا فتویٰ دیتے وقت یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب نے اپنی امت کو "منکرین جہاد" کا خطاب دیکر بہت ہی بدنام کر دیا ہوا ہے، چونکہ ان کی مسیحیت کی بنا انسداد جہاد پر تھی، اس لئے وہ ہمیشہ پروپیگنڈا کرتے رہے کہ مجھے ماننے والے ظاہراً و باطناً جہاد کے منکر ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے چند فقرے حسب ذیل ہیں :۔

عقیدہ | "ہر ایک شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو "مسیح موعود" مانتا ہے۔ اسی دن سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے، کیونکہ "مسیح موعود" آچکا"۔ لے

خاص علامت | "اس فرقہ (قادیانیہ) کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ نہ صرف جہاد کو موجودہ حالت

لے ضمیمہ رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۲

ہی رد کرتا ہے۔ بلکہ آئندہ بھی کسی وقت اس کا منتظر نہیں، مذہب کے پھیلانے کی خاطر خون بہانے کو فرقہ قطعاً ممنوع سمجھتا ہے۔" [1]

دن رات کوشش | "یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بیہودہ رسم کو اٹھا دے۔ چنانچہ ابتک ساٹھ کے قریب میں نے ایسی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو اور انگریزی میں تالیف کرکے شائع کی ہیں جن کا یہی مقصد ہے کہ یہ غلط خیالات مسلمانوں کے دل سے محو ہو جائیں" [2]

کفر کی وجہ | "اگر ہماری یہ جماعت مکہ اور مدینہ میں بھی ہوتی تب بھی وہ ایسے ہی سنگسار کی جاتی جیساکہ کابل میں مولوی عبداللطیف کیا گیا۔ رہا جہاد ۔۔۔۔ پس ہم جو ان مخالف مسلمانوں کی نظر میں مرتد اور واجب القتل ٹھہرے ہیں، تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور قرآن شریف سے منکر ہیں، جس کو شک ہو ہماری کتابیں دیکھ لے، بلکہ اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اس بات سے منکر ہیں کہ اب بھی کسی جہاد کی ضرورت ہے" [3]

نہ انتظار ہے | "یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے۔ ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار جہاد بالکل نہیں۔ اور نہ اسکی انتظار ہے۔ بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے۔ کہ دین کے لئے لڑائیاں کی جائیں" [4]

ورنہ سلسلہ فضول | "خدا نے مجھے تلوار کیساتھ نہیں بھیجا اور نہ مجھے جہاد کا حکم دیا ہے۔ بلکہ مجھے خبر دی کہ تیرے ساتھ آشتی اور صلح پھیلے گی، ایک درندہ بکری کے ساتھ صلح کرے گا۔ اور ایک سانپ بچوں کیساتھ کھیلے گا..... اگر صلح کاری کی بنیاد درمیان میں نہ ہو تو پھر ہمارا سارا سلسلہ فضول ہے۔ اور اس پر ایمان لانا بھی فضول" [5]

مجھے ماننا ہی جہاد کا انکار ہے۔ | "میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے۔ ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے" [6]

---

[1] ریویو آف ریلیجز جلد ۲ ص ۳۹ — [2] ریویو جلد ۱ نمبر ۱۲ ص ۴۹۵

[3] ریویو جلد ۶ نمبر ۶ ص ۲۳۸ — [4] تریاق القلوب ص ۳۳۲

[5] تریاق القلوب ص ۳۳۵

[6] تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۷

مرزا صاحب "انکارِ جہاد" کے ساتھ اپنی جماعت کو بدنام کرنے میں اتنے آگے نکل گئے تھے، کہ انہیں انگریز کا خود کاشتہ پودا، سرکار کا نمک پروردہ اور موردِ مراحم گورنمنٹ قرار دینے میں بھی کوئی خفت محسوس نہیں کی، اسی کا نتیجہ تھا کہ بقول مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کے:

"ہماری جماعت وہ جماعت ہے جسے شروع سے ہی لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ خوشامدی اور گورنمنٹ کی پٹھو ہے۔ بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں[۱]۔ پنجابی محاورے کے مطابق ہمیں "جھولی چک" اور نئے زمینداری محاورے کے مطابق ہمیں ٹوڈی کہا جاتا ہے"۔[۲]

الغرض! مرزا صاحب نے اپنی امت کو اس مسئلہ میں اتنا "بدنام" کر دیا ہے کہ اب اگر قادیانی لیڈر ہزار مرتبہ چیخ چیخ کر بھی اعلان کریں کہ وہ جہاد کے قائل ہیں تو لوگ اس کو نفاق اور دھوکا سمجھنے پر مجبور ہوں گے، کیونکہ بقول مرزا صاحب کے "مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے"۔

یہ داغ بدنامی اور کلنک کا ٹیکا جو مرزا صاحب نے اپنی امت کی پیشانی پر لگا دیا ہے۔ اسی وقت دھل سکتا ہے جبکہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے سے انکار کر دیا جائے۔ اب اگر قادیانی لیڈر "جہاد جاری ہے" کے نعرے میں مخلص ہیں تو انہیں جرأت سے کام لیکر ان "مسیح موعودی بیڑیوں" کو کاٹ دینا چاہیے۔ اور اگر اتنی جرأت نہیں تو کم از کم اتنی ہمت تو چاہیئے "مسیح موعود" کے عقیدے کے مطابق "جہاد حرام ہے"۔ "قطعاً حرام ہے"۔ "منسوخ ہے" کا اعلان برابر ہوتا رہے۔ جری اللہ[۳] اور جے سنگھ بہادر[۴] کی امت کیلئے تقیہ، نفاق اور دو قلاپن تو کچھ زیبا نہیں ——

قادیانی لیڈروں کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ مرزا صاحب کو مسیح موعود مان کر وہ کبھی جہاد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جو لوگ "مرزا صاحب" کے منکر ہیں، یعنی عالم اسلام کے ستر کروڑ مسلمان، وہ تو آپ کے عقیدے کے مطابق کافر ہیں۔ اور جہاد کسی کافر کے زیر کمان نہ کبھی ہوا، نہ ہوگا، نہ ہو سکتا ہے۔

اور اگر یہ خوش فہمی ہو کہ نصیب دشمناں خلیفۂ ربوہ کو مسیح کی خلافت مل جائے گی۔ اور وہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے جہاد کا اعلان کریگا۔ تو یہ وہم دل سے نکال دینا چاہیئے۔ نہ نو من تیل ہو، نہ رادھا ناچے —— مرزا صاحب جسمانی خلافت لیکر نہیں آئے تھے، بلکہ انگریز کو اولوالامر کا دائمی سرٹیفکیٹ دینے کیلئے

---

[۱] اور واقعات سے اس الزام کی تصدیق بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مرزا محمود احمد صاحب بھی اس کو تردید کیلئے نہیں بلکہ اس پر فخر کیلئے نقل کر رہے ہیں۔

[۲] الفضل ۱۳ر نومبر ۱۹۴۶ء۔

[۳] [۴] یہ مرزا صاحب کے الہامی نام ہیں۔

آئے تھے ، ان کی زندگی ، ان کی نبوت ، مسیحیت اور ان کے نسخ جہاد اور حرمت قتال کے سارے فتوے انگریزی اولوالامر کیلئے وقف تھے ۔ سو یہ حق تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے خلاف ہے کہ مسیح کی امت کو دائمی غلامی سے نجات نصیب ہو۔

علاوہ ازیں فلسفہ تاریخ بتاتا ہے کہ کسی تحریک کا عروج بانی تحریک اور اس کے پُرجوش حواریوں کے دور تک رہتا ہے ، اور تیسری پیڑھی میں اس پر ضعف و انحطاط اور زوال و ادبار کے آثار شروع ہو جاتے ہیں ۔ اب قادیانی تحریک کو دیکھو ! بانی تحریک مرزا غلام احمد ، اور ان کے بڑے بڑے حواری تادم آخر دجّال (مسیحی قوم) کی اطاعت و فرمانبرداری کا کلمہ پڑھتے رہے ، اور قادیانی امت کی تین نسلیں " کافروں " کی اطاعت میں گذر چکی ہیں ـــــ فلسفۂ تاریخ کے مطابق اب قادیانی تحریک کے مکمل زوال و انحطاط اور ضعف و انتشار کا دور ہے ۔ مدت ہوئی مرزا صاحب کا ربوہ ویران ہو چکا ، ان کا پایۂ تخت (قادیان) دارالحرب و الکفر بن چکا ۔ اس لئے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ اس دورِ زوال میں وہ دنیا پر غالب آکر جہاد کیا کریں گے ۔ جس امت کا مسیح موعود تمام کافروں کے سامنے " سفید جھنڈا " بلند کر کے اپنی فوجوں کو پسپائی کا حکم دے گیا ہو ، کیا قیامت تک ان سے پیش قدمی کی توقع کی جاسکتی ہے ؟ کلا و رب الکعبۃ ۔

خلاصہ یہ ہے کہ قادیانیوں کی جانب سے جہاد کے جاری رہنے کا اعتراف دراصل مرزا غلام احمد کے مسیح موعود نہ ہونے کا برملا اعتراف ہے ۔

فساد اہل ربوہ و شہادت مولانا شمس الدین شہید و سنگسار شدن یک مرتد قادیانی

ز اہل ربوہ شد شروع گشت فساد
نزد ایشاں حرام بود جہاد

حملۂ سخت زین گروہ فضول
بعض مجروح بعض شد مقتول

مشتعل گشت ہر مسلمانے
آنکہ در دل بداشت ایمانے

مجتمع گشت قوت اسلام
از ہمہ مومناں چہ خاص و چہ عام

متحد گشتہ اند پیر و جوان
متفق بودہ اند خورد و کلاں

دادہ قربانی از برائے خدا
بہر ناموس پاک خیر وریٰ

بعض محبوس بعض گشت شہید
باد رحمت بر و جہائے سعید

انقلابے عظیم گشت پدید
این چنیں انقلاب کس نشنید

در ہمہ گوشہائے پاکستان
در ہمہ شہر و قریہ و میداں

مرکز انقلاب در پنجاب
ضرب، قتل، حبس، قید و بند و عتاب

شور رسیدہ تا بہ صوبۂ سرحد
رو نما شد بہ مومناں بے حد

شور افتاد در بلوچستان
زلزلہ شد ز جذبۂ ایمان

از تپش در قلات و در خضدار
گشت ظاہر بجملگی یک بار

اہل مستونگ ہم درین میداں
بردہ سبقت بقوت ایمان

ہم بگوئیم شہید شمس الدینؒ
کرد سر را فدا براہ دین

بود او در اسمبلی گویندہ
گر نکردہ زباں خود کوتہ

چوں پائیداں بود اسپیکر
بود او خوش بیاں و خوش پیکر

نوجوانے ز نورِ سرزمین
عالم باعمل محب وطن

در میدان مجاہد و غازی
بردہ از شہسوارہا بازی

اونخست از ہمہ شدہ قربان بہر دین و حفاظت قرآن

مداخلت نمودن ڈاکٹر محمود قادیانی در جلسۂ مسلماناں منعقدہ در کوئٹہ بلوچستان واعتراض آوردن ڈاکٹر مذکور بر علماء کرام و مشتعل شدن اہل جلسہ بخلاف قادیانی مذکور و سنگسار شدن او و از دست عوام الناس و مایوس شدن قادیانیان بعد از ازین واقعہ از ارتداد اہل بلوچستان این واقعہ مذکورہ بالا دو سہ سال قبل از تقسیم ہند و پاک وقوع پذیر شدہ بود۔

در شبے جلسۂ بپا کردند
مردم کوئٹہ واعظ آوردند
بود آں جلسہ جلسۂ دینی
اندراں رد کفر و لا دینی
درمیاں بود ڈاکٹر محمود
ڈاکٹر شوم قادیانی بود
اعتراضے بعالماں آورد
نام عالم باحترام نبرد
پس ازیں مردمان بدانستند
قادیانی است بر سرش جستند
بارش سنگ و چوب بر او بود
تاکہ از زندگی بیشتر نابود
اولاً ہسپار شد زآنجا
بعد ازاں سنگسار شد آنجا
گرچہ ہر سو گریخت راہ ندید
تاکہ او فوت شد ز ضرب شدید
قادیانی ازیں بدانستند
کہ مسلماں بدین خود استند

بہمت قادیانیان شد لیست راہ تبلیغ مذہب شان لیست
شکر للہ در بلوچستان ہست مضبوط قوت ایمان

از جناب سلیم الحق صدیقی ۔ کراچی

امریکی سیاہ فام مسلم تحریک

اسلام کے نام پر ایک کھلا دھوکہ

اب ضرورت ہے کہ مسلمان امریکہ کے سیاہ فام "مسلمانوں" کو اسلام کے اصل عقائد سے روشناس کرائیں اور عالیجاہ محمد اور فرڈ کے غلاموں کو اللہ کی غلامی میں لے آئیں۔

اندلس سے مسلمانوں کے انخلا کے فوراً بعد ہی کولمبس نے عربوں کے ترتیب دئے ہوئے نقشہ کی مدد سے براعظم امریکہ دریافت کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یورپی عیسائی اقوام کی نئے براعظم پر آمد اور آبادکاری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امریکہ کی وسیع و عریض علاقہ میں پھیلی ہوئی زمینوں کو زیر کاشت لانے کے لئے ساحل افریقہ سے لاکھوں کی تعداد میں حبشی غلام درآمد کئے جانے لگے۔ ان غلاموں کی ایک اچھی خاصی تعداد مسلمان تھی۔ لیکن وہ ایک غیر اسلامی ماحول اور غلامی میں رہنے کی بنا پر اپنے مذہب کو بھلا بیٹھے۔ اور ان کی اولاد کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ لیکن امریکہ کی حبشی آبادی کے دلوں میں اپنے آبائی مذہب اسلام کا احساس باقی ہے۔ لیکن ہماری طرف سے اسلام کی تبلیغ کا امریکہ میں انتظام نہ ہونے کی بنا پر ہم اس احساس اور جذبہ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے نام پر ایک عجیب و غریب اور گمراہ کن تحریک امریکی حبشیوں میں اٹھ کھڑی ہوئی جو روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اور اسکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۹۳۰ء میں ایک حبشی عیسائی جسکا نام ڈبلیو۔ ڈی۔ فرڈ W. D. FARD تھا۔ جو امریکہ کے شہر ڈیٹرائٹ میں ریشم کا بیوپار کرتا تھا اسلام کے نام پر ایک عجیب و غریب قسم کا مذہب ایجاد کیا۔ جیساکہ معلوم ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کا حضرت عیسیٰؑ کی انسانی شکل و صورت میں زمین پر ظہور ہوا۔ اور سینٹ پال کی حیثیت

خداوند یعنی حضرت عیسیٰؑ کے رسول اور نبی کی تھی۔ لگ بھگ اس قسم کا عقیدہ ڈبلیو۔ ڈی۔ فرڈ نے پیش کیا یعنی اسلام میں جو اللہ تعالیٰ کا تصور ہے، وہ غلط ہے۔ بلکہ اللہ کا مطلب اعلیٰ ترین سیاہ فام انسان ہے۔ اور تمام سیاہ فام نسل انسانی اسکی متبرک خدائی نسل سے ہے۔ اور سفید فام نسل چھ ہزار سال قبل ایک کالے سائنسدان نے ایجاد کی تھی، اس عجیب وغریب نظریہ نے ڈیٹرائٹ کے ہزارہا، حبشیوں کو متاثر کیا اور وہ فرڈ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ اور یہ بے عقل لوگ سمجھنے لگے کہ ہم کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نسل سے ہیں اس لئے سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ اور اللہ فرڈ کی انسانی شکل وصورت میں ہمیں یہ راز کی بات بتانے آیا ہے۔

۱۹۳۴ء میں صرف دعویٰ کے چار سال بعد فرڈ اچانک پُراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ اور اس کا پتہ نہ چل سکا کہ اس کا حشر کیا ہُوا۔ غالباً اس کے سفید فام عیسائی دشمنوں نے اسکو قتل کرکے اسکی لاش غائب کردی۔ اسی دوران ریاست جارجیہ امریکہ کا ایک چالاک حبشی عالیجاہ پول اس نظریہ کو لے اڑا۔ اور دعویٰ کیا کہ اللہ یعنی فرڈ نے زمین سے واپسی کے بعد مجھے دنیا میں اپنا رسول اور نبی مقرر کیا ہے۔ اور اپنا نام عالیجاہ محمد رکھ لیا۔ اور اپنا مرکز شکاگو منتقل کرلیا۔ اور وہاں پر قوم اسلام NATION OF ISLAM کے نام سے اپنے نئے مذہب کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ اور اسکی تبلیغ میں منہمک ہوگیا۔ عالیجاہ پول عرف عالیجاہ محمد نے یہ کیا کہ مسلمانوں کے کلمہ طیبہ کا مطلب یکسر تبدیل کرکے رکھ دیا۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ اور وہ سیاہ فام اعلیٰ ترین انسان فرڈ تھا۔ جو انسانی گوشت پوست میں نازل ہُوا۔ اور محمد اس کے رسول ہیں۔ اور وہ رسول عالیجاہ محمد ہے۔ اور دیگر یہ کہ دنیا کے تمام مسلمان گمراہی میں مبتلا ہیں۔ جو ایک ایسے اللہ میں یقین رکھتے ہیں۔ جو غیر مادی۔ روحانی اور مابعد الطبیعاتی اللہ ہے۔ جسکی ہیئت دماغ میں نہیں بٹھائی جاسکتی وغیرہ وغیرہ ——۔

عالیجاہ محمد نے اس کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کی نماز قبلہ رو ہوکر پڑھنا اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اور لحم خنزیر۔ شراب، جُوا اور زنا کو حرام قرار دیا۔ غرض کہ عملی طور پر اپنے نئے مذہب کی اکثر باتیں اسلامی اصولوں پر مبنی رکھیں۔ سفید فام لوگوں کی نفرت اور حقارت کو اپنے مذہب کا بنیادی نصب العین قرار دیا۔ اور گورے لوگوں کو جن بھوت شیطان۔ اژدہے۔ درندے وغیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جو اسلامی تعلیمات کے یقیناً منافی ہے۔

۱۹۳۴ء سے لیکر آج تک تقریباً ۷۵ سال میں ان بلیک مسلم لوگوں کی تعداد کوئی ایک لاکھ

کے لگ بھگ پہنچ چکی ہے۔ یہ لوگ گوروں کے خلاف جہاد اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ انکو تربیت اس قسم سے دی گئی ہے کہ اگر امریکی گورے کالوں پر کسی قسم کی زیادتی یا ظلم کریں تو تمام بلیک مسلم یک دم ایک فوج کی صورت اختیار کر سکتے ہیں جس سے امریکہ کا امن و سکون تباہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت بلیک مسلم تحریک کی ۷۶ عبادت گاہیں ہیں۔ اور کروڑوں ڈالر کی جائداد ہے اور ان کے کئی اخبارات اور رسائل شائع ہوتے ہیں۔ عالیجاہ محمد کا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کا بڑا لڑکا ولیس محمد جانشین مقرر ہوا ہے۔ جو دو دفعہ اس تحریک سے تائب ہو کر علیحدگی اختیار کر چکا ہے۔ ان بلیک مسلم کے مذہب اور عقائد کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یہ لوگ کلیتاً اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کو مسلمان تصوّر کرنا خود اسلام اللہ اور رسولؐ کی توہین ہے۔ لیکن ہر بات میں ایک اچھائی کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ فرڈ کا مذہب اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بلیک مسلم کہلاتے ہیں۔ جب ان کو اصل اور حقیقی اسلام کا پتہ چلتا ہے۔ تو سچے اسلام کیطرف ان کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ کئی بلیک مسلم صحیح اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور اپنے آپ کو حنفی مسلم کہلاتے ہیں۔ صرف واشنگٹن میں ان کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ ان حنفی مسلمانوں کے لیڈر باسکٹ بال کے مشہور کھلاڑی کریم عبد الجبار ہیں، جو خود بھی سیاہ فام ہیں۔ اور ان پر کئی دفعہ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ ایک اور مشہور مسلمان حبشی لیڈر میلکم ایکس جنہوں نے عالیجاہ پول کے مذہب کو ترک کر کے اصل اسلام قبول کر لیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں عالیجاہ کے آدمیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ جنوری ۱۹۷۳ء میں ان لوگوں نے پانچ حنفی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ جو واشنگٹن کے حنفی مسلم فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور مُکّے باز محمد علی کلے بھی عالیجاہ پول کی بلیک مسلم تحریک کا رکن ہے۔ اس کو مسلمان سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر ان نام نہاد بلیک مسلم حبشیوں میں اسلام کی صحیح طور پر تبلیغ کی جائے اور ان کو اسلام کے اصل عقائد سے روشناس کرایا جائے تو ان کی کافی حد تک اصلاح ہو سکتی ہے۔ اب یہ کام اس لئے بھی آسان ہے۔ کہ عالیجاہ پول کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور دنیائے اسلام کی بھرپور کوشش سے یہ ایک لاکھ بلیک مسلم فرزندان فرڈ سے فرزندانِ توحید بن سکتے ہیں۔ ■■

تعارف و تبصرہ

- جناب اختر راہی ایم اے
- جناب قاری فیوض الرحمن ایم اے
- ایڈیٹر الحق

مجلہ "علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ

برصغیر کے علمی و ادبی اور تعلیمی ادارے | مرتب : ابو سلمان شاہجہانپوری۔ ناشر : گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی۔ صفحات : ۳۴۸۔

برصغیر کے مسلمانوں کا حقیقی ورثہ وہ علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے ہیں جو ان کے اسلاف نے خونِ جگر سے پروان چڑھائے اور ان اداروں کی ترقی علم و ثقافت کی ترویج اور اشاعت کے مترادف ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں ان اداروں کو غور و فکر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ مگر اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جس میں یکجا برصغیر کے تمام قابل ذکر اداروں کا تعارف موجود ہو۔ طلبہ اور اہل تحقیق کی یہ ایک اہم ضرورت تھی جسے زیر نظر خصوصی شمارہ کی صورت میں نیشنل کالج کراچی کی انتظامیہ نے پورا کیا ہے۔

زیر نظر حصہ اوّل میں برصغیر کے ۳۵ علمی و ادبی اداروں کا تعارف درج ہے۔ ادارے کے تعارف میں اس کے مقصد، طریق کار، مختصر تاریخ، اہم رفقا اور علمی و ادبی کام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون نگار حضرات نے کم سے کم الفاظ میں اداروں کا جامع تعارف کرایا ہے۔ آغاز میں ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کا فکر انگیز پیش لفظ ہے۔ خصوصی شمارہ کے مرتب جناب ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب نے مقدمہ میں برصغیر کی تعلیمی انجمنوں دینی مدارس، جدید تعلیمی جامعات اور فنی اداروں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کی انتظامیہ اور خاص طور پر مرتب "علم و آگہی" اہل علم کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں

(تبصرہ نگار۔ اختر راہی۔ ایم اے)

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور | جناب محترم مولانا عبدالرشید ارشد نے علماء امت بالخصوص اکابر و مشاہیر علماء دیوبند کے علوم و معارف اور کتابوں کی اعلیٰ جدید معیار پر طباعت کے لئے وسیع تر اشاعتی [illegible] کی بنیاد مکتبہ رشیدیہ کے نام سے ڈالی ہے۔ اور بلاشبہ ہمارے ہاں ندوۃ المصنفین اور دار المصنفین کی طرز پر ایک وسیع علمی ادارہ کی اشد ضرورت ہے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر مکتبہ رشیدیہ

کو بعض علماء کے مشوروں سے پبلک لیمیٹڈ کمپنی کا رنگ دیکر تجارتی ادارہ بھی بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ جو لوگ اس کے اغراض و مقاصد سے اتفاق رکھیں وہ اس کے حصص بھی خرید سکے اور یہ ایک مشترکہ جماعتی ادارہ بن سکے۔ کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ اور کچھ اہم اور وقیع کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں جو لوگ اس کام کو مفید اور اہم علمی خدمت سمجھیں گے انشاء اللہ وہ ضرور اس میں تعاون فرماکر ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق بنیں گے۔ ادارہ کی تفصیلات کے لئے اس پتہ پر رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالرشید ارشد۔ مکتبۂ رشیدیہ لیمیٹڈ ۴۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ (سمیع الحق)

انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم | از خالد علوی صاحب۔ صفحات: ۶۷۶۔ قیمت ۳۶/- روپے
ناشر: یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۴ انار کلی، لاہور۔ لکھائی و چھپائی صاف، کاغذ سفید پرنٹنگ۔

جناب پروفیسر خالد علوی صاحب نے سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جامع کتاب لکھی ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اصل کتابوں سے حوالے لینے میں بہت ہی کاوش کی ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اپنوں اور بیگانوں نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں لکھی ہیں، مگر جو بھی نیا آدمی درست نیت کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے۔ اللہ کے خزانے سے اجر پا ہی لیتا ہے۔ پروفیسر خالد علوی صاحب کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ اس لئے کتاب میں دیگر اہل علم کے ساتھ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں سے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اس کتاب کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر ہم اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔

کتاب میں احادیث اور سیر کی کتابوں سے جتنے بھی حوالے دئے گئے ہیں۔ ان پر اعراب نہیں دئے گئے اگرچہ اردو ترجمہ دے دیا گیا ہے۔ جسکی وجہ سے عام قارئین کا عربی پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور وہ طلبہ جو اعراب دیکھ کر یاد کرنا چاہیں گے، انہیں ضرور تکلیف ہوگی اس لئے کہ بغیر اعراب کے صحیح عربی پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ ص ۴۲ پر سورہ زخرف کی آیت کے ٹکڑے کے آخر میں حوالہ ۱۰۱ اور سورۃ الانعام کی آیت ۱۲۵ کا حوالہ بھی ۱۰۱ دیا گیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ موقع و محل کی مناسبت سے عربی اور فارسی کے عمدہ اشعار اکثر بغیر اردو ترجمہ کے دئے گئے ہیں۔ اگر فاضل مصنف اردو ترجمہ ساتھ لکھ دیتے تو قارئین ان سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے۔ کتاب کی قیمت ۳۶/- روپے بہت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں اگر ان گذارشات کی رعایت رکھی گئی تو اس قابل قدر کتاب سے استفادہ کرنیوالوں کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کامیاب کوشش کو قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ (تبصرہ نگار۔ قاری فیوض الرحمان ایم۔اے)

احوال و کوائف

دار العلوم اور شاہ فیصل مرحوم کی تعزیت

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق کی تعزیت اور صالح قزاز رابطہ عالم اسلامی کا جوابی ٹیلیگرام

عالم اسلام کے مایۂ ناز رہنما الامام الشہید رائد التضامن الاسلامی مرحوم شاہ فیصلؒ کی خبر شہادت ملتے ہی دار العلوم میں حیرت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ ہر شخص عالم اسلام کے اس فرزند جلیل کی یکایک جدائی پر مجسّم حزن و ملال بنا ہوا تھا۔ طلبہ و اساتذہ نے مل کر ایصالِ ثواب کیا۔ دار العلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ نے ایک تعزیتی اخباری بیان میں کہا کہ:

"شاہ مرحوم اپنی عظیم خدمات، تدبّر، سیاسی سوجھ بوجھ علم اور دین کی عظیم الشان خدمات، اتحاد عالم اسلام کی مساعی کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے چند گنے چنے سلاطین اور حکام کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ ان کی ذات عالم اسلام کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی تھی۔ اگر خلافتِ اسلام کی کوئی صورت ممکن ہوسکتی تو موجودہ حالات میں شاہ مرحوم خلیفۂ اسلام بننے کے مستحق تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ شاہ فیصل کی جدائی نہ صرف یہ کہ سیاسی محاذ پر بھاری نقصان ہے۔ بلکہ علم اور دین کی خدمت دفاع اور تحفظ کے لحاظ سے بھی پورے عالم اسلام کو عظیم دھچکا لگا ہے۔ جنہوں نے خداوند قدوس سے دعا کی کہ ملّتِ اسلامیہ کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے جانشینوں شاہ خالد اور شہزادہ فہد کو ان کے عظیم مقاصد کی تکمیل کی توفیق دے۔"

اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ نے دار العلوم اور مولانا سمیع الحق ایڈیٹر الحق نے ادارۂ الحق کیطرف سے نئے حکمران شاہ خالد بن عبد العزیز۔ شہزادہ فہد اور رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری شیخ صالح القزاز۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے شیخ عبد العزیز بن باز اور پاکستان میں مقیم سعودی سفیر کی خدمت میں مذکورہ احساسات پر مشتمل ٹیلی گرام بھی ارسال کئے جس کے جواب میں شکریہ کے ٹیلی گرام بھی آئے ــــ اسلام آباد میں سعودی عرب کے سفیر محترم ریاض الخطیب نے جوابی تار میں کہا:

مرحوم محترم شاہ فیصل کی شہادت پر آپ اور پاکستانی بھائیوں کے جذبات نے

مجھے بے حد متاثر کیا۔ بلاشبہ ان کی وفات عالم اسلام کے لئے عظیم نقصان ہے۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ بخشے۔" (سفیر سعودی عربیہ)

جناب شیخ صالح القزاز نے اپنے مفصل جوابی ٹیلیگرام میں کہا :

مکہ معظمہ

محترم جناب مولانا عبدالحق صاحب و مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق

ہمارے ساتھ اس سانحۂ عظیم پر آپ کے اظہار افسوس کے جذبات کا شکریہ۔ ان کی وفات کے بعد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز نہایت متفق اللسان ہیں۔ ان کو جناب شہید لیڈر نے وارث تخت مقرر کیا تھا، خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔

بلاشبہ یہ ایک عظیم سانحہ ہے اور اسکی تسلی اور تسکین و تلافی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ جس شخص نے ان کے بعد قیادت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے، وہ ایک اہل شخصیت ہے۔ ان سے ہمیں یہ خوشگوار مستقبل جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کہ انشاء اللہ مملکت سعودی عربیہ پیغام اسلام کی ترویج کے لئے اپنی خصوصی حیثیت و قیادت برقرار رکھ سکے گی، جس میں شہید لیڈر نے عالم اسلام کو اتحاد، یگانگت اور سالمیت کا درس دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہ' ان کو مندرجہ بالا کاموں کی تکمیل کی مدد فرما دے اور اسلام کی بھلائی کی خدمات کی توفیق دے۔ تاکہ تمام مسلمان ایک طاقت کی شکل میں ابھریں دشمنوں کو شکست فاش دیں اور بیت المقدس کو آزاد کرائیں۔ اور مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کریں۔ (صالح القزاز۔ الامین العام رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ)

حضرت مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری۔ کراچی

جشن غدیر کی حقیقت

کچھ عرصۂ قبل کراچی و اطراف وجوانب میں بڑی آب وتاب سے یہ جشن منایا گیا۔ میں اس کی حقیقت معیار عقل ونقل کے مطابق بتانا چاہتا ہوں۔ لکھنؤ میں اسے عید غدیر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اور اس کی خوشی میں محرمات ومنکرات حلال ہوجاتی تھیں اور انتہا یہ ہے کہ ہر ابدی محرم خاتون بھی خواہ وہ کسی رشتہ کی ہو حلال ہو جاتی تھی یعنی ماں بہن بیٹی تک حلال ہو جاتی تھی، بقول غالب — ؎ کیجئے جو گناہ ثواب ہے آج — فرقہ اثنا عشریہ کے مجتہدین اور کتابیں دعویٰ کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں آپ نے غدیر خم نامی مقام پر قیام فرمایا۔ اس وقت آپ نے سب سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کی بیعت کرائی اور مزید احتیاط وتاکید کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم سے دو دو بار بیعت کرائی اور ارشاد فرمایا کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کا ہے۔ بوجوہ ذیل یہ واقعہ کبھی واقع نہیں ہوا اور اس کے محض فرضی اور عبداللہ بن سبا کے ایک کامیاب حملہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں (۱) خطبہ منیٰ میں جہاں اس وقت کے بلاد اسلامیہ کے سب مومنین موجود تھے وہاں آپ نے اتنا اہم اعلان کیوں نہ کیا۔ اور وہاں کیا جہاں صرف مدینہ کے مسلمان تھے۔ (۲) مکہ ومدینہ کے درمیان آج تک کوئی منزل غدیر خم کے نام کی نہیں اور اگر کہیں راستہ سے علیحدہ دور دراز اس نام کا کوئی مقام ہے تو وہاں جاکر ایسے اہم اعلان میں کیا حکمت ومصلحت ہے۔ (۳) اگر کوئی کہے کہ ملیر سے حیدرآباد جاتے میں راستہ میں ماڑی پور میں، میں نے یہ واقعہ دیکھا تھا تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ ماڑی پور اس راستہ میں نہیں ہے۔ اسی طرح جب مکہ ومدینہ کے راستہ میں غدیر خم نام کا آج تک کوئی مقام نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ ایسے جاہل کا گھڑا ہوا ہے۔ جو جغرافیہ سے بھی بالکل ناواقف

ہے۔ (۴) جب اس مجمع میں تقریباً سوا لاکھ اہل مدینہ شامل تھے تو انہوں نے صدیق اکبر کی خلافت پر بجائے اعتراض کرنے کے متفقہ طور پر ان کی خلافت کو کیوں قبول کر لیا۔ آدمی دنیا میں جو عمل کرتا ہے اگر وہ پاگل نہیں ہے تو اس کے پیش نظر دو مقاصد میں سے صرف ایک پیش نظر ہوتا ہے۔ یا تو فائدہ دنیا یا ثواب آخرت۔ اگر ان لوگوں نے ارشاد عالی کے برخلاف حضرت صدیقؓ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے کیا فائدہ حاصل کیا صدیق اکبر تو اتنے مفلس تھے کہ گذر بسر مشکل سے کرتے تھے ایسی حالت میں ان کے پاس اتنی کثیر جماعت کو رشوت دینے کیلئے دولت کہاں سے آئی یا ان کے پاس اس وقت ایسا لشکر کہاں سے آیا کہ وہ بزور شمشیر اتنی بڑی جماعت کو بخوف جان ارشاد نبوی کی نافرمانی پر مجبور کر دیں اور جب بالبداہۃ ان میں سے ایک بات بھی نہیں تو اس فرضی واقعہ کا کذب و افترا اتنا واضح ہو گیا کہ اب اس میں صرف وہی تردد کر سکتا ہے جو عقل و شعور اور ہوش و حواس سے بالکل محروم ہو۔ (۵) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت پر انہیں نامزد فرما دیا تھا تو وہ کیوں خاموش رہے۔ اور انہوں نے یہ حدیث اور واقعہ بیعت مسلمانوں کو کیوں نہ یاد دلایا۔ پھر اس حدیث کے متعلق تو اتنا گہرا سکوت اختیار فرمایا کہ کبھی بوقت ضرورت بھی اسے زبان پر نہ لاتے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب وہ خلیفہ بن گئے اور حضرت معاویہؓ کی شدید مخالفت پر انہیں ان کی معزولی کا فرمان بھیجا تو حضرت معاویہ نے جواب دیا کہ امراء عاملین کو برطرف کرنے کا اختیار صرف خلیفۂ وقت کو ہوتا ہے۔ اور آپ کو بجائے مہاجرین و انصار کے سب سے پہلے قاتلان عثمان باغیوں نے خلیفہ بنایا ہے۔ جس کا انہیں حق نہ تھا اور یہ حق صرف مہاجرین و انصار کو تھا اس لئے آپ خلیفہ ہی نہیں تو آپ کو میرے یا کسی اور عہدہ دار کے برطرف کرنے کا اختیار بھی نہیں تو حضرت علیؓ نے اس وقت حضرت معاویہ کے مقابلہ میں حدیث بالا اگر تھی تو کیوں نہ پیش کی اور کیوں نہ یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھے مولا یعنی خلیفہ نامزد فرمانے کے بعد مہاجرین و انصار کو اب انتخاب خلیفہ کا حق نہیں رہا۔ (۶) بالغرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے خلافت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ یہ لفظ عربی میں تقریباً نو معانی میں آتا ہے مگر یہ خلیفہ کے معنی میں نہیں آتا یہ آقا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور غلام کے معنی میں بھی اور محبوب کے معنی میں بھی۔ تو اب اس کے قریب الفہم یہ معنی ہوں گے کہ جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کے محبوب ہیں۔ یہ متضاد معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کیلئے بمعنی مالک و کارساز آتا ہے۔ اور بندوں کے لئے بمعنی غلام و محتاج۔ اور جب یہ لفظ مضطرب المعنی ہے۔ تو حسب اصول اس سے کسی امر پر قطعی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک قرینۂ مقام سے رہنمائی نہ ہو۔ (۷) حجۃ الوداع میں منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے آپ نے منیٰ و مکہ کے درمیان وادی محصب میں مختصر سا قیام فرمایا اور فرمایا کہ

یہ وہ مقام ہے۔ جہاں مشرکین مکہ نے ہمارے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے لئے سب مشرکین کی پابندی کے عہد کیلئے ایک دستاویز تیار کر کے خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دی تھی جس کی وجہ سے آپ کو مکہ کی سکونت ترک کر کے شعب ابی طالب میں ہجرت کرنا پڑی۔ چند سال بعد آپ نے یہ فرمایا کہ اس دستاویز کے سارے کلمات بجز لفظ اللہ کے دیمک چاٹ گئی ہے۔ ابو طالب کو اس غیبی خبر پر تعجب ہوا مگر انہوں نے اہل مکہ کو اسکی خبر بھجوا دی۔ اہل مکہ نے اس کے بعد وہ دستاویز اتار کے دیکھا تو واقعی یہ خبر صحیح نکلی جس سے وہ اپنی بائیکاٹ سے باز آگئے اور آپ پھر مکہ واپس تشریف لے آئے اسی لئے ہمارے فقہانے لکھا ہے کہ حجاج کیلئے بھی اس وادی میں مختصر قیام مستحب ہے۔ پھر جب غدیر خم میں حضرت علی کی خلافت جیسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہوا تو پھر اثنا عشری حجاج بطور تشکر اس وادی میں قیام واجب نہ سہی تو کم از کم مستحب ضرور ہوتا۔ مگر ان کی کتب فقہ اس کے متعلق اپنے سکوت سے اس کی تردید کر رہی ہیں۔

(۸) ایک مرتبہ ایک مدعی حب اہل بیت حضرت حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکے لئے مبالغہ آمیز فضائل متعلق بیان کرنے لگا تو آپ نے اُسے روک کر فرمایا کہ ہمارے لئے صرف وہی کہو جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے بیان کیا ہے۔ اس پر اس نے یہ کہا کہ کیا آپ کے دادا حضرت علی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ اس کا حضرت حسن نے یہ جواب دیا کہ اگر ایسا ہوتا۔ اور حضرت علی اسکی تعمیل نہ کرتے تو وہ سب سے سخت مجرم وخطا دار ہوتے۔ البتہ مجھے یہ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل خیر کا اجر دو چند دیگا۔ اور عمل بد کا دو چند عذاب۔ (مگر قرآن مجید نے یہ فضیلت صرف ازواج مطہرات کی بیان کی ہے۔) دیکھئے کس خوبی سے انہوں نے اس روایت کو موضوع قرار دیا۔

(۹) میں نے پاکستان آنے سے پہلے متعدد رسائل اور بیسیوں مضامین خلاف اثنا عشری لکھے لیکن مجھے کسی اثنا عشری رسالہ یا اخبار نے بجز اس کے کوئی جواب نہ دیا کہ یہ کافر ہے۔ منافق ہے، ملعون ہے۔ مرتد ہے۔ خبیث ہے۔ میں نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ قسام ازل نے جو فضائل آپ کے لئے مقدر کئے تھے یہ آپ کا کمال ایثار ہے کہ آپ مجھے بھی اس میں شریک کر رہے ہیں۔ اس لئے بکمال تشکر عطا تو بہ لقاء تو۔

(۱۰) قرآن مجید میں مہاجرین وانصار کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہمیں اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ "ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا" یعنی اے اللہ ہمارے دلوں میں ان مومنین کا کینہ نہ پیدا ہونے دینا۔ اس میں صاف اشارہ ہے کہ اس امت میں ایک ایسی بدنصیب جماعت ہی پیدا ہو گی جو ہمارے محبوبین و

مقربین سے عداوت رکھے گی۔ مگر اس سے بچنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے ہوگا۔ کیونکہ اس نجاست پر حبّ اہل بیت کا ورق طلا لپیٹا جائے گا۔ جس سے لوگ دھوکہ کھائیں گے۔ اور اسی آیت سے یہ حدیث بھی مستنبط ہے۔ "اذا سبت اصحابی فلیظھر العلماء علمھم او کما قال"۔ یعنی جب میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو علماء پر واجب ہے کہ وہ اس کے رد میں اپنا علم ظاہر کریں۔ گو ہر شخص اپنے اعمال بد کا خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ کیونکہ یہ قانون الٰہی اور عدل ہے کہ "لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ اس لئے ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم کسی بدیہی وصریح گمراہی پر بھی دارو گیر کریں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہمیں حکم دیتا ہے کہ میرے صدیق وفاروق وذوالنورین جیسے مقدس ومکرم اصحاب پر بہتان باندھے جائیں تو علماء پر اس کی مدافعت فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی کی تعمیل میں میں نے یہ مضمون لکھا ہے۔ کیونکہ اس جھوٹے واقعۂ غدیر اور موضوع حدیث سے خلفائے راشدین پر حرف آتا ہے۔ تلك عشرة كاملة۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم واللہ المستعان۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے سوالات اور وفاقی وزراء کے جوابات

عیسائی مشنری ادارے

سوال ۸۴ مورخہ ۵/۲/۷۵ :۔ کیا وزیر اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ مشنری اداروں مثلاً سکول کالج۔ چرچ۔ ہسپتال وغیرہ کی تعداد کتنی ہے۔ نیز ان کی تفصیلات بیان کی جائیں۔ ؟

جواب :۔ ملک محمد اختر، وزیر مملکت برائے سیاحت و اقلیتی امور۔

عیسائیوں کے مذہبی اداروں کی تعداد ۳۹۹

اسکول	کالج	چرچ	ہسپتال	مراکز بہبود
۲۲۸	۳	۱۰۱	۳۹	۲۸

تفصیلات	سکول	کالج	چرچ	ہسپتال	مراکز بہبود
پنجاب	۱۷۴	۱	۶۹	۲۳	۶
سندھ	۳۴	;	۱۶	۹	۲۲
سرحد	۱۳	۱	۱۱	۵	-
بلوچستان	۷	.	۵	۲	-
	۲۲۸	۳	۱۰۱	۳۹	۲۸

فروغ عربی اور عربی ممالک سے رابطہ

سوال ۹۹ مورخہ ۵/۲/۷۵ ۔ کیا وزیر اطلاعات و نشریات بیان فرمائیں گے کہ آیا عربی کے فروغ یا عرب ممالک سے رابطے کیلئے حکومت کیطرف سے کوئی لٹریچر، اخبارات یا رسالے شائع کئے

جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اسکی تفصیلات کیا ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو حکومت اس ضمن میں کیا اقدامات کرے گی ؟

جواب :۔ ملک محمد اختر۔

الف :۔ شعبہ اطلاعات و نشریات کا ریسرچ، ریفرنس و پبلیکیشن ڈائریکٹریٹ عربی بولنے والے ممالک میں اشاعت کیلئے عربی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ، پاکستان مصوّر، باقاعدگی سے شائع کرتا ہے۔ پاکستان کے اندر عربی زبان کے فروغ کیلئے یہ ڈائریکٹریٹ ہفت روزہ جریدہ پاک جمہوریت، میں عربی زبان کے اسباق شائع کرتا ہے ــــ علاوہ ازیں یہ ڈائریکٹریٹ پاک عرب یکجہتی کے فروغ کیلئے درج ذیل کتب شائع کر چکا ہے۔

۱۔ اسلامک ورلڈ (دنیائے اسلام) ۲۔ پاکستان سالی ڈریٹی ود مسلم ورلڈ (دنیائے اسلام کے ساتھ پاکستان کی یکجہتی) ۳۔ پاکستان۔ ۴۔ قائداعظم۔ ۵۔ ذوالفقار علی بھٹو۔ ۶۔ ختم نبوتؐ۔

محکمہ اطلاعات عامہ کی نظامت نیوز ریل و دستاویزی فلم نے عربی زبان میں درج ذیل سات دستاویزی فلمیں تیار کی ہیں۔ جن میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہونے والی ترقی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ اسلامک سمٹ۔ ۲۔ مجد مجید۔ ۳۔ شملہ کانفرنس ۴۔ دوستی کا سفر ۵ پیپلز فسٹیول (عوامی میلہ) ۶۔ کنسٹیٹیوشن (دستور) ۷۔ فلڈ اسپیشل (سیلاب)

مسترد شدہ سوالات

قادیانیوں کے اقلیتی فیصلہ پر عملدرآمد سے گریز

نمبر۔ ایس کیو ڈی ۲۱/۷۵/۷۔ کیو اے پی۔ (۲۹ر جنوری ۱۹۷۵ء)

کیا وزیر قانون بتا سکیں گے۔ کہ قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد آئینی ترمیم کے تقاضے پورے کرنے کیلئے اب تک کیا اقدامات کئے گئے۔

اگر جواب نفی میں ہے تو کیا ایسے اقدامات زیر غور ہیں۔ اور کب تک انہیں عملی جامہ پہنایا جاسکے گا

کیا وزیر قانون بتا سکیں گے کہ انتخابی فہرستوں اور رجسٹریشن میں قادیانیوں کو غیر مسلم لکھنے پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے۔ اگر نہیں تو کیوں ؟

تعلیمی اداروں میں عربی تعلیم کی حق تلفی

نمبر۔ ایس کیو ڈی ۷۵/۲۰ کیو اے پی۔ (۲۹ر جنوری ۱۹۷۵ء)
کیا وزیر تعلیم وضاحت فرماسکیں گے :

الف :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ کالجوں میں عربی اور انگریزی کے دو دو پرچے ہوتے ہیں مگر عربی پرچہ کے نمبر سو اور انگریزی کے پچھتر ہوتے ہیں اور یہ عربی کی تدریس کے لئے ہر ہفتہ میں ۴ گھنٹے ہیں مگر انگریزی سیکھنے کے لئے یہ تعداد آٹھ ہے، کیا یہ صحیح ہے کہ عربی کے مقابلہ میں سائنس کو ترجیح دینے سے دیگر طلبہ عربی چھوڑ کر سائنس اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

نمبر ایس کیو ڈی ۷۴/۸ (۲۹ر نومبر ۱۹۷۴ء)
نمبر۔ ایس کیو ڈی ۷۴/۴ کیو اے پی۔ (۲ر دسمبر ۱۹۷۴ء)
کیا وزیر اطلاعات ازراہ کرم یہ ارشاد فرمائیں گے۔ کہ ریڈیو اور ٹی۔ وی سے عربی پروگرام بھی نشر ہوتے ہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسکی تفصیل کیا ہے۔

شراب، جوا اور سور کی حوصلہ شکنی

نمبر۔ ایس کیو ڈی ۷۵/۱۹ کیو اے پی۔ (۲۹ر جنوری ۱۹۷۵ء)
کیا وزیر قانون بتائیں گے کہ آئین کی رو سے حکومت نے شراب۔ جوا۔ اور سود کی حوصلہ شکنی کا عہد کیا ہے۔ تو اس سلسلہ میں اب تک کیا کچھ قانونی اقدامات کئے گئے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا مدنی کے تلامذۂ حدیث متوجہ ہوں

جن علماء کرام نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز سے دورۂ حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ازراہ کرم اولین فرصت میں پتہ ذیل پر اپنے ضروری کوائف سے مطلع فرماکر ممنون فرمادیں۔

پتہ :۔ قاضی محمد زاہد الحسینی۔ دارالارشاد۔ کیمبل پور۔ پاکستان
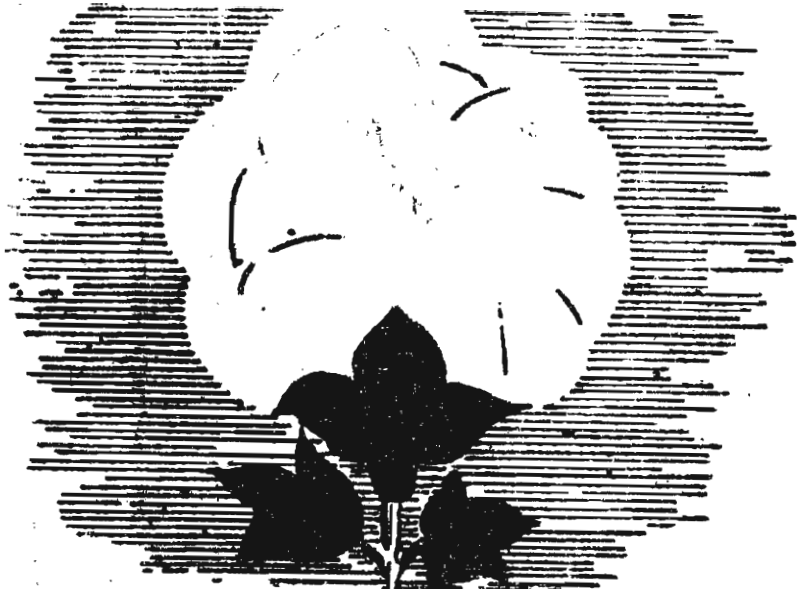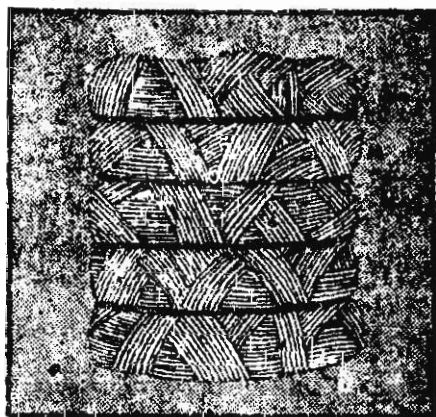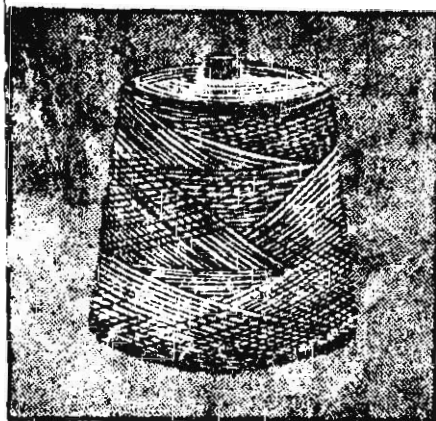
جذباتِ خلوص و مہمان نوازی ضرور اس کے متقاضی ہوتے ہیں
کہ میزبان اپنے مہمانِ عزیز کے سامنے اپنا دل نکال کر رکھ دے۔
لذتِ کام و دہن کے ممکنہ سامان فراہم کر دینا میزبانی کی شان ہے
اور ہماری روایت ہے۔

میزبانِ محترم! مہمان نوازی کی مشرقی روایات پوری کرنے کے
لئے مناسب اور ضروری ہے کہ کھانے کے بعد اپنے معزز و محترم
مہمان کے لئے کارمینا بھی فراہم رکھیئے کیونکہ انواع و اقسام کے
لذیذ و کثیر کھانے کے بعد کارمینا کی ہاضم ٹکیاں اکسیر کا حکم
رکھتی ہیں۔ خاطرِ احباب کے لئے کارمینا ضروری ہے۔
کارمینا کی موجودگی مہمان کو گرانیٔ طبع کے خوف سے بے نیاز
کر دے گی۔

CAR 1/75 Adarts